مدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن مدنی
حفظہ اللہ
مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

مُحدّث

اگست ۲۰۱۵ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ کیا عورت عدالت سے خلع حاصل نہیں کرسکتی؟
۲۴ آیاتِ قرآنیہ کے نام اور ان کے بعض احکام
۳۷ سفرِ حج میں مسلمان خاتون کے لیے محرم کی لازمی شرط!
۵۵ قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں سے بنے تعویذ اور اُن کا حکم

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 47 No.4
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِح دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدّث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700

لاہور کی عظیم وقدیم اور مرکزی درسگاہ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
شیخ محمد ادریس
رحمانیہ
جامعہ لاہور الاسلامیہ
دورِ حاضر کے بہترین اساتذہ کرام • خصوصی امتیازات کے ساتھ
مدنی علماء وفضلاء کے زیر نگرانی • علوم نبوت کے رسوخ وفروغ میں سرگرم
داخلہ
شوال ۱۴۳۶ھ کے آخر تک جاری ہے
ان شاء اللہ
اپنے نونہال کی مثالی تعلیم وتربیت کیلئے اسے ہمارے سپرد کیجیے
ایسے نامور اساطین علم اساتذہ کرام سے تعلیم کا قیمتی موقع آپ کو کہیں میسر ہوگا
نمایاں امتیازات
مدینہ یونیورسٹی میں پاکستان بھر سے سب سے زیادہ داخلہ
لاہور کے سنٹر میں خوبصورت پارکوں کے درمیان
ممتاز طلبہ کو ماہوار ۵۰۰ روپے وظیفہ
محمد رمضان سلفی
زید احمد
محمد شفیق مدنی
عبدالولی حقانی
محمد اسحاق طاہر
محمد اجمل بھٹی
علم المناظرہ کے ماہرین اساتذہ کرام
مبشر احمد ربانی
یحییٰ عارفی
خاور رشید بٹ
ابو عبداللہ طارق
علوم سبعہ عشرہ قراءات کے ممتاز ماہرین اساتذہ کرام
محمد ابراہیم میر محمدی
حمزہ مدنی
عبدالسلام
انس مدنی
مصطفیٰ راسخ
حافظ حسن مدنی
جامعہ لاہور الاسلامیہ
0301-4415977- 0322-4339822

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری
المكتبة الرحمانية
اُساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع
خصوصیات
ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں
ایئر کنڈیشنڈ ہال
سہولیات
جملہ اُردو وعربی تفاسیر اور علوم قرآن کی تمام کتب
حدیث نبوی، شروح حدیث اور علوم قرآن کے بیشتر مراجع
فقہی مذاہب خمسہ کی اُمہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اسلاف کا نادر علمی ورثہ
Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت
اَوقات
صبح 9:00 بجے
تا
شام 5:00 بجے
(چھٹی بروز جمعہ)
بمقام
ادارہ محدث' 99/ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور، 042-35866396
موبائل 0305-4600861 (لائبریرین: محمد اصغر)
Designing & Printing: CRYSTAL ART Lhr 0323-7471861

magazine.mohaddis.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا عورت عدالت سے خلع حاصل نہیں کر سکتی؟

اسلامی نظریاتی کونسل کی تازہ سفارش کا ناقدانہ جائزہ

انسانی معاشرے میں سب سے اہم سوال مرد وزَن کے باہمی فرائض و حقوق اور تعلقات کا ہے۔ کیونکہ نسل انسانی کو دو صنفوں میں پیدا کیا گیا ہے، اور ان دونوں کا باہمی ارتباط اور ضابطہ و نظام کیا ہونا چاہیے؛ اس پر ہی انسانی زندگی کے بنیادی پہلوؤں کا انحصار ہے۔ اسلام کا عظیم احسان یہ ہے کہ اس اہم ترین مسئلہ پر وہ ایک بڑا معتدل و متوازن نظام پیش کرتا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہر دو صنفیں سکون واطمینان کے ساتھ حیاتِ مستعار کے ایام گزار سکتے اور دنیا و آخرت میں کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہو سکتے ہیں۔ آج مغربی اقوام میں یہی سوال بنیادی سیاسی اہمیت بھی اختیار کر گیا ہے کہ بہت سے مغربی ممالک نے ہم جنس پرستی کی شادی اور تعلقات کی اجازت دے دی ہے اور اس بنیادی مسئلہ پر ہی وہ فطرتِ انسانی سے انحراف کر بیٹھے ہیں۔ وہ بے چارے اتنی بنیادی رہنمائی سے ہی محروم ہیں۔

انسانی زندگی کا سب سے بڑا پہلو مرد وعورت کا آپس میں ایک رشتہ میں منسلک ہو کر رہنا ہے۔ شادی بیاہ کے قوانین شرعِ اسلامی نے بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں، اور بالفرض میاں بیوی میں نباہ کرنا مشکل یا ناممکن ہو جائے تو اس کے بھی اسلام نے بڑے متوازن حل بتائے ہیں۔ ان احکام کی بہت سی تفصیلات ہیں جن سے قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ ہمیں آگاہ کرتی ہیں۔ اسلام نے نکاح کے سلسلے میں مرد اور عورت دونوں کی رضامندی اور حقوق کا برابر طور پر خیال رکھا ہے۔ کوئی ایسا نکاح، جس میں مرد وعورت کی رضامندی یکساں طور پر شامل نہ ہو، شریعتِ اسلامیہ اس کی بالکل گنجائش نہیں دیتی بلکہ عورت کے مستقبل میں ازدواجی حقوق کی نگہداشت کے لیے نکاح میں اس کے خاندان کو بھی اہم ایک کردار تفویض کیا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جن خواتین کے نکاح میں اُن کے خاندان کی سرپرستی اور بعد ازاں دلچسپی و نگرانی برقرار رہتی ہے، وہ عورتیں زیادہ بہتر طور پر اپنے ازدواجی حقوق کا تحفظ کر سکتی ہیں۔

اگر کسی بھی وجہ سے مرد وزَن میں نباہ کرنا مشکل ہو جائے تو اسلام اس تفریق زوجین کو سخت ناپسند قرار دینے کے باوجود اس کے موزوں طریقے بھی پیش کرتا ہے۔ اگر مرد نکاح کو ختم کرنا چاہے تو شریعتِ اسلامیہ نے اُس کے لیے طلاق کا طریقہ تجویز کیا ہے۔ اور اگر عورت کا کسی وجہ سے نباہ کرنا مشکل ہو جائے تو جبر اور غیریت کے اس سلسلے کو طول دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے عورت کو خُلع کا حق دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے میاں بیوی کے درمیان اختلاف کو پیدا کرنا شیطان کا مرغوب ترین مشغلہ بتایا، جو شخص میاں بیوی میں تفریق کی کوشش کرے، اس کو بدترین سزا کی وعید سنائی۔ شوہر کو یہ تلقین کی کہ حلال چیزوں میں ناپسند ترین شے طلاق ہے اور بیوی کو بتایا کہ کسی وجہ کے بغیر شوہر سے خلع کا مطالبہ کرنے والی جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گی۔ ان تمام احتیاطی اقدامات کے باوجود اگر آپس میں اللہ کی حدود کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے تو پھر طلاق و خلع کا راستہ دکھا دیا۔ مرد کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن دے کر، اسے عورت سے ایک درجہ بلند کر دیا [جس بندھن کے تقدس کی حفاظت کی تلقین نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمائی] اور عورت کو جذباتی مزاج ہونے کے ناطے، صرف طلاق بول دینے/مانگ لینے کی بجائے، اس امر کا پابند بنایا کہ وہ شوہر کو حق مہر واپس کر کے اس سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے، اور اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو عورت قاضی سے رجوع کر کے اپنا حق خلع حاصل کر سکتی ہے۔ گویا زوجین کو مل جل کر رہنا چاہیے تاہم دونوں کا نباہ مشکل ہو جائے تو ہر دو کے لیے علیحدگی کا نظام موجود ہے، مرد کے لیے قدرے آسان اور عورت کے لیے کچھ تفصیل کے ساتھ، تاہم یہ حق ہر دو کے لیے شریعت ثابت و قائم رکھتی ہے!!

طلاق کو اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے، اور زوجین میں افتراق کی اکثر وبیشتر صورتیں مرد کے اس اختیار کے ذریعے ہی پوری ہوتی ہیں۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے حق خُلع دیا ہے جو وہ خود حق مہر/فدیہ کی پیش کش کر کے شوہر سے لے سکتی ہے۔ تاہم بعض ناگزیر صورتوں میں قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شوہر پر دباؤ ڈالے کہ وہ بیوی کو حق خلع دے۔ اور قاضی کا فیصلہ شرعی حیثیت رکھتا ہے جس پر عمل کرنا فریقین کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تفریق زوجین کا عام طریقہ بصورتِ طلاق تو مرد کے پاس ہے، طلاق ہمیشہ مرد ہی دیتا ہے۔ اور عورت مجبوری کی بعض صورتوں میں حق مہر/فدیہ کو ادا کر کے حق خلع بھی حاصل کر سکتی ہے جو طلاق کی بجائے افتراق (جدائی) ہے۔ اور اگر شوہر راضی نہ ہو رہا ہو تو بیوی قاضی کے اتفاق کے بعد شوہر پر دباؤ ڈال کر، حق مہر/فدیہ واپس

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کر کے اپنا حق خلع حاصل کر سکتی ہے۔ قاضی اپنے اتفاق رفیصلہ میں اس امکان کا جائزہ لیتا ہے کہ کیا یہ عورت امر واقعہ میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی یا یہ عورت کا محض جذباتی فیصلہ ہے۔ اگر خلع میں بھی شوہر کی رضامندی ضروری قرار دی جائے تو پھر عورت کے پاس افتراق کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

افتراق کے یہ دو طریقے ہوئے: طلاق اور خلع... جبکہ افتراق کا تیسرا طریقہ فَسخ نکاح ہے جس کا فیصلہ قاضی اس صورت میں دیتا ہے جبکہ نکاح اپنی اصل سے ہی درست نہ ہو مثلاً رضاعی بھائی یا محرمات سے نکاح، عورت کا رضامندی کے بغیر نکاح وغیرہ۔ اس میں عورت کو حق مہر کی واپسی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ یا اس نکاح کو باقی رکھنا عورت کے لیے مشکلات کا باعث ہو جیسے مرد اپنی بیوی کے مالی ر نفقہ یا ازدواجی حقوق وغیرہ پورے کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے[1]۔ حقیقی فسخ نکاح اس صورت میں ہوتا ہے جب نکاح کے شرعی نظام میں خلل ہو اور زوجین کے لیے باہمی حقوق و فرائض بوجوہ پورے کرنا ممکن نہ رہیں۔ ذیل میں اس کی مزید تفصیلات ملاحظہ کریں۔

اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ادارہ ہے، جس کا ہدف پاکستان کے مقصدِ قیام اور نظریے کے عین مطابق، اس ملک کو اسلامی نظام میں ڈھالنے کی تدبیر و سعی کرنا ہے۔ ضروری تھا کہ اس کی سفارشات وہدایات کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہوتی تاکہ پاکستان تیزی سے اپنے مقصدِ قیام کی طرف پیش قدمی کرتا لیکن صد افسوس کہ ایک آئینی ادارہ اور ڈھانچہ ہونے کے باوجود اس کی سفارشات کی حیثیت، گزارش و تلقین سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، حتیٰ کہ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور کے بعد، ۳۰ سالہ عرصے میں کبھی اسلامی نظریاتی کونسل کی کسی سفارش کو پارلیمنٹ میں سرے سے زیر بحث ہی نہیں لایا گیا۔[2] جبکہ پاکستان کو حقیقی اسلامی مملکت میں ڈھالنے کے لیے یہ ادارہ ایک بنیادی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اہم کردار ادا کر سکتا تھا۔ بعض سیکولر حلقے پاکستان کے اسلامی مملکت ہونے کے مقصد سے اختلاف کرنے کی بنا پر اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں اور بعض اہل دین حضرات اس کی بے وزن سفارشات کی بنا پر اس کی ساخت وہیئت کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تاہم ہر دو صورت کے باوجود ایک باوقار اور معتبر

1 حافظ عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ "جب خاوند نان نفقہ نہ دے یا دیگر حقوق ادا نہ کرے تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ عورت کو تنگ کرے۔" (فتاویٰ: ۳/۲۷۷) مزید برآں خاوند نامرد ہو جائے تو شرعی حاکم نہ ہونے کی صورت میں پنچایت فسخ نکاح کا فیصلہ کرے۔ (ایضاً: ۳/۲۸۰)
مذکورہ بالا دونوں صورتیں حقیقی فسخ کی ہیں، اور ان صورتوں میں عورت کو حق مہر واپس کرنے کو نہیں کہا جائے گا۔

2 بی بی سی انٹرویو چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر ۲۰۱۳ء بعنوان "ریپ انگریزی کا لفظ ہے۔"

و مؤقر تاریخی و آئینی ادارہ ہونے کے ناطے اسکی سفارشات کی اہمیت و وقعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حال ہی میں کونسل نے نکاح و طلاق کے ایک اہم مسئلہ پر اپنے اجلاس نمبر ۱۹۹، منعقدہ ۲۶، ۲۷ مئی ۲۰۱۵ء میں بعض سفارشات پیش کی ہیں، جن پر میڈیا میں متخالف آرا سامنے آئی ہیں۔ 'عدالت کے ذریعے خلع کا حصول... موجودہ قانونی صورتِ حال اور درپیش مسائل... شرعی نقطہ نظر' کے زیر عنوان کونسل نے درج ذیل دو فیصلے منظور کیے:

"فیصلہ ۱: مروّجہ عدالتی خلع جس میں شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ ڈگری جاری کرتی ہے، درست نہیں۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور فسخ نکاح میں فرق کریں۔

فیصلہ ۲: شعبۂ ریسرچ خلع، فسخ، ایلا، لعان اور ظہار کی تعریفات پر مشتمل ایک دفعہ کا متن تیار کرے جو بعد ازاں قانون انفساخِ نکاح مسلمانان ۱۹۳۹ء میں شامل کیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا فیصلوں کا متن راقم نے کونسل کی ویب سائٹ سے باضابطہ طور پر جاری ہونے والی دستاویز سے لیا ہے، جبکہ روزنامہ 'جہانِ دنیا' نے اس سفارش کو ان الفاظ میں رپورٹ کیا:

"اسلامی نظریاتی کونسل نے خواتین کا خُلع کا صوابدیدی حق، غیر شرعی قرار دے دیا، نہ صرف یہ بلکہ طلاق کے لئے خاوند کی رضامندی بھی لازم قرار دے دی، جب کہ مسلم فیملی لاء کی شق آٹھ میں ترمیم کی سفارش بھی کر ڈالی۔ کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی کہتے ہیں کہ جب تک خاوند طلاق کے لئے راضی نہ ہو، عدالتیں خواتین کو خلع نہ دیں۔"

روزنامہ ایکسپریس، لاہور نے ۲۸ مئی ۲۰۱۵ء کو اپنی خبر میں بتایا کہ

"اسلام آباد: اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی نے کہا ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری جاری نہیں کر سکتی، عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور تنسیخ نکاح میں فرق کریں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے ۲ روز تک جاری رہنے والے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس کرتے ہوئے مولانا شیرانی نے کہا کہ عدالتیں خلع کے نام پر تنسیخ نکاح کے فیصلے دے رہی ہیں جو جائز نہیں، خلع کا حق صرف خاوند کے پاس ہے۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور تنسیخ نکاح میں فرق کریں۔ تفویض طلاق شرعاً درست ہے، تاہم واضح انداز میں ایک ایسی اضافی دفعہ تجویز کی جائے جس میں ایسا ابہام نہ ہو جس کی وجہ سے میاں بیوی میں اختلاف واقع ہو۔"

کونسل کی مذکورہ بالا سفارش کے بعد میڈیا میں بیانات شروع ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے یہ کہنا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شروع کردیا کہ یہ سفارش عورت کے حق علیحدگی کے منافی ہے۔ اگر عورت براہِ راست اپنے شوہر سے حق مہر واپس کرکے یا عدالت کے توسط سے بھی اپنے شوہر سے علیحدگی حاصل نہیں کرسکتی تو پھر وہ کس طرح اپنے ناپسندیدہ شوہر سے جدا ہوسکتی ہے جبکہ شریعتِ اسلامیہ نے یہ حق عورت کو واضح طور پر دیا ہے۔ ذیل میں پہلے ہم اس مسئلہ کی شرعی و فقہی حیثیت کو واضح کرتے ہیں، پھر کونسل کی سفارش پر اپنا تبصرہ پیش کریں گے:

خلع... قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں

① خلع کے مشروع ہونے کی بنیاد درج ذیل آیتِ کریمہ ہے، جسے 'آیتِ خلع' بھی کہتے ہیں:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۲۹﴾

"طلاقِ (رجعی) دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح سے اپنے پاس رکھا جائے یا بھلے طریقے سے اسے رخصت کردیا جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ اِلا یہ کہ دونوں میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ وہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کرسکیں گے۔ ہاں اگر وہ اس بات سے ڈرتے ہوں کہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کرسکیں گے تو پھر عورت اگر کچھ دے دلا کر اپنی گلوخلاصی کرالے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ ہیں اللہ کی حدود، ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔"[1]

اس آیتِ کریمہ میں دو طلاقوں کا تذکرہ کرنے کے بعد بتایا گیا کہ اگر مرد طلاق دے تو مرد کے لیے اس سے حق مہر دیا ہوا واپس لینا جائز نہیں، ہاں اگر عورت علیحدگی کا مطالبہ کرے تو اسے فدیہ (حق مہر وغیرہ) دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

② صحیح بخاری اور سنن ابو داود وغیرہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

1 ترجمہ از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ، تفسیر تیسیر القرآن زیر آیت سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

جَاءَتْ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ الله! مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلاَ خُلُقٍ، إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الكُفْرَ، فَقَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟» فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَرَدَّتْ عَلَيْهِ، وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا[1]

"ثابت بن قیس بن شماس انصاری کی بیوی (جمیلہ بنت اُبی بن سلول، جو عبداللہ بن اُبی منافق کی بہن تھی) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: "یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس پر دینداری اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں لگاتی، مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان ہوکر (خاوند کی) ناشکری میں مبتلا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "اچھا، جو باغ ثابت نے تمہیں (حق مہر میں) دیا تھا، وہ واپس کرتی ہو؟" وہ کہنے لگی: "جی ہاں" سو اُس نے باغ واپس لوٹا دیا، تو آپ نے ثابت بن قیس کو حکم دیا اور اُس نے بیوی کو جدا کردیا۔"

ثابت بن قیس کی اس مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بحیثیتِ قاضی، ثابت کی بیوی سے دریافت کیا، اور اس کی ناپسندیدگی کو جان لینے کے بعد حق مہر کو واپس کرنے کا کہا، پھر اس کے شوہر کو حکم دیا: اس کو جدا کردو اور یہ تاریخ اسلام کا اوّلین خلع تھا۔ اس واقعہ خلع میں نہ تو شوہر کو طلب کیا گیا، نہ شوہر کی رضامندی کو دریافت کیا گیا، نہ اُسے طلاق دینے کا حکم ہوا۔ صرف عورت کی ناپسندیدگی، مطالبے اور حق مہر کی واپسی پر شوہر کو جدا کرنے کا پابند کردیا گیا، سو شوہر نے اس کو جدا کردیا۔ گویا نبی کریم ﷺ نے عورت کے حق خلع کو عدالتی دباؤ کے ساتھ شوہر پر نافذ کردیا۔

صحیح بخاری کے اسی باب میں ذرا پہلے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں بھی مروی ہے:

قَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «اقْبَلِ الحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً»[2]

"(اے ثابت بن قیس!) اس سے باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔"

اس روایت میں شوہر کو حق مہر واپس لے کر ایک طلاق دینے کی تلقین بھی کی گئی۔ لیکن صحیح بخاری میں اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام بخاری نے اس کے شاذ یعنی نامقبول ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ یعنی تمام راوی طلاق کے حکم کو مُرسل بیان کرتے ہیں، جبکہ ازہر بن جمیل نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ

1 صحیح بخاری: ۵۲۷۶، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ؛ سنن نسائی: ۲۰۵۶

2 صحیح بخاری: ۵۲۷۳، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ؟... طلاق کے حکم والے الفاظ پر امام بخاری یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ «لاَ يُتَابَعُ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ»... اس جملہ کی شرح میں شیخ مصطفیٰ البغا لکھتے ہیں: يعني أي لا يتابع أزهر بن جميل على ذكر ابن عباس في هذا الحديث

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سے موصولاً بیان کیا ہے۔ ازہر بن جمیل کو اگر ثقہ بھی مان لیا جائے، تب بھی ان کا ابن عباس سے حکم طلاق کو موصولاً بیان کرنا سند میں شذوذ کہلائے گا جو دیگر ثقات کی مخالفت ہے۔ ازہر بن جمیل سے اس کے علاوہ صحیح بخاری میں کوئی اور روایت موجود [1] نہیں۔ اس طرح طلاق کے الفاظ بوجہ سند کے شاذ ہونے کے غیر مستند قرار پاتے ہیں۔ واقعہ خلع کی دیگر روایات جو سنن نسائی، المعجم الکبیر اور السنن الکبریٰ از بیہقی میں ہیں، میں طلاق دینے کا حکم جس جس روایت [2] میں ملتا ہے، وہاں ازہر بن جمیل بصری ہی راوی ہے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں:

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيحِ عَنْ أَزْهَرَ بْنِ جَمِيلٍ، وَأَرْسَلَهُ غَيْرُهُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ [3] ”امام بخاری نے صحیح میں (حکم طلاق کو) ازہر بن جمیل سے روایت کیا ہے، اور باقی رواۃ نے (حکم طلاق کو) خالد الحذاء سے مُرسل بیان کیا ہے۔“

اب خلع میں شوہر کو حکم طلاق کی روایت تو مرسل یعنی غیر مستند ٹھہری جبکہ کتبِ حدیث میں خلع کی جو حدیث ابن عباس سے صحیح سند سے مروی ہے، اس میں حکم طلاق موجود نہیں، دیکھیں صحیح بخاری اور السنن الکبریٰ وغیرہ [4]

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے خلع کا تذکرہ تین خواتین سے منسوب ہے: ایک جمیلہ بنت اُبی بن سلول، دوسری مریم مغالیہ اور تیسری حبیبہ بنت سہل [5]۔ جو سنن ابو داود، جامع ترمذی، موطا مالک وغیرہ میں مختلف الفاظ سے آیا ہے۔ حافظ ابن حجر مذکورہ احادیث کی تشریح میں فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یا تو ایک ہی خاتون کے مختلف نام ہیں، یا ثابت بن قیس سے خلع کے دو علیحدہ واقعات مروی ہیں۔ [6]

---

1 قال ابن حجر: وَلَمْ يُخْرِجْ عَنْهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْجَامِعِ غَيْرَ هَذَا الْمَوْضِعِ (فتح الباری زیر حدیث ۵۲۷۳)

2 سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، سنن نسائی: ۳۴۶۳، المعجم الکبیر از طبرانی: ۱۱۹۶۹، سنن دار قطنی: ۳۶۲۸، السنن الکبریٰ از امام بیہقی: رقم ۱۴۸۳۶ وغیرہ

3 السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب الوجہ الذی تحل بہ الفدیۃ: رقم: ۱۴۸۳۸

4 صحیح بخاری: ۵۲۷۶، السنن الکبریٰ بیہقی: رقم ۱۴۸۳۶، ۱۴۸۳۷، المنتقیٰ از ابن جارود: ۷۵۰، المعجم الکبیر طبرانی: ۱۱۸۳۴

5 سنن ابو داود: ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، باب فی الخلع

6 حافظ ابن حجر حدیث نمبر ۵۲۷۳ کے تحت فتح الباری میں لکھتے ہیں: قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: اخْتُلِفَ فِي امْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ فَذَكَرَ الْبَصْرِيُّونَ أَنَّهَا جَمِيلَةُ بِنْتُ أُبَيٍّ وَذَكَرَ الْمَدَنِيُّونَ أَنَّهَا حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ. قُلْتُ: وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّهُمَا قِصَّتَانِ وَقَعَتَا لِامْرَأَتَيْنِ لِشُهْرَةِ الْخَبَرَيْنِ وَصِحَّةِ الطَّرِيقَيْنِ وَاخْتِلَافِ السِّيَاقَيْنِ...

ایسی ہی بات قبل ازیں ابن تیمیہ بھی کہہ چکے ہیں: بأن هذا مما اختلفت فيه الرواية فإما أن يكونا قصتين أو ثلاثا

پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ کے شوہر کو حکم دینے اور زوجین کے درمیان مفارقت کا ذکر ہے، دوسری روایت میں طلاق دینے کا حکم ہے لیکن وہ روایت مُرسل رنامقبول ہے،

جبکہ سنن نسائی میں «خُذِ الَّذِي لَهَا عَلَيْكَ وَخَلِّ سَبِيلَهَا» [1] (اس کے پاس جو تیرا مال ہے، وہ واپس لے کر اس کا راستہ چھوڑ دے) کے الفاظ ہیں۔

سنن ابو داود میں «خُذْهُمَا وَفَارِقْهَا» [2] (اس سے دونوں باغ لے لے اور اس کو جدا کردے)،

السنن الکبریٰ میں «يَا ثَابِتُ! خُذْ مِنْهَا» فَأَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ اور فَأَمَرَهَا أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا [3] (اے ثابت! اس سے لے لے، سو اس نے باغ واپس لے لیا اور وہ اپنے گھر بیٹھ گئی" اور "آپ نے عورت کو حکم دیا کہ ثابت کو واپس کردے اور دونوں کے درمیان تفریق کرادی) کے الفاظ آئے ہیں۔

واقعہ خلع کی اکثر روایات میں خلع کے الفاظ بھی مذکور ہیں، مثلاً:

أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ. [5] ”ثابت قیس کی بیوی نے اپنے شوہر سے دورِ نبوی میں خلع لے لیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ ایک حیض عدت گزارے۔“

③ اس سے پچھلی حدیث میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ

اخْتَلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَوْ أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ [6] ”ربیع نے دورِ نبوی میں خلع لیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے کہا یا اُسے حکم دیا گیا کہ وہ ایک حیض عدت گزارے۔“

④ ربیع بنتِ معوذ کے خلع کا ایک اور واقعہ عبادہ بن صامت کی درج ذیل روایت میں بھی موجود ہے:

وإما أن أحد الروايتين غلط في اسمها وهذا لا يضر مع ثبوت القصة فإن الحكم لا يتعلق باسم امرأته، وقصة خلعه لامرأته مما تواترت به النقول، واتفق عليه أهل العلم. (فتاویٰ: ۳۲/۳۲۹)

1 سنن نسائی: ۳۴۹۷، باب عدۃ المختلعۃ... قال الالبانی: صحیح

2 سنن ابو داود: ۲۲۲۸، باب فی الخلع

3 السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب الوجہ الذی تحل بہ الفدیۃ: رقم: ۱۴۸۳۷، ۱۴۸۴۰

4 قال ابن حجر: لَكِنْ مُعْظَمُ الرِّوَايَاتِ فِي الْبَابِ تَسْمِيَته خُلْعًا (فتح الباری زیر حدیث ۵۲۷۳)

5 سنن ترمذی: ۱۱۸۵م، باب ماجاء فی الخلع

6 سنن ترمذی: ۱۱۸۵، باب ماجاء فی الخلع

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عَنْ رُبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ، قَالَ: قُلْتُ لَهَا: حَدِّثِينِي حَدِيثَكِ، قَالَتْ: اخْتَلَعْتُ مِنْ زَوْجِي ثُمَّ جِئْتُ عُثْمَانَ، فَسَأَلْتُهُ مَاذَا عَلَيَّ مِنَ الْعِدَّةِ؟ فَقَالَ: "لَا عِدَّةَ عَلَيْكِ إِلَّا أَنْ تَكُونِي حَدِيثَةَ عَهْدٍ بِهِ، فَتَمْكُثِي حَتَّى تَحِيضِي حَيْضَةً". قَالَ: "وَأَنَا مُتَّبِعٌ فِي ذَلِكَ قَضَاءَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي مَرْيَمَ الْمَغَالِيَّةِ، كَانَتْ تَحْتَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ".[1]

"ربیع بنت معوذ کو میں نے اپنا واقعہ بیان کرنے کو کہا تو کہنے لگیں: میں اپنے شوہر سے خلع لے کر سیدنا عثمان کے پاس آئی اور ان سے اپنی عدت کے بارے دریافت کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ "تجھ پر کوئی عدت نہیں، الا یہ کہ ابھی تازہ معاملہ ہو تو اس کے پاس ایک حیض تک انتظار کر" اور فرمایا کہ میں اس میں نبی کریم ﷺ کے فیصلے کا پیروکار ہوں جو آپ نے مریم مغالیہ کے بارے کیا تھا جو ثابت بن قیس کی بیوی تھی اور اس نے ثابت سے خلع لے لیا تھا۔"

امام ابوعبید قاسم بن سلام کی روایت کے مطابق یہ دوسرا واقعہ عہدِ عثمان میں پیش آیا۔[2]

⑤ مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ

سَأَلَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ امْرَأَةٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا تَطْلِيقَتَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ أَيَتَزَوَّجُهَا؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: "ذَكَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الطَّلَاقَ فِي أَوَّلِ الْآيَةِ وَآخِرِهَا وَالْخُلْعَ بَيْنَ ذَلِكَ فَلَيْسَ الْخُلْعُ بِطَلَاقٍ، يَنْكِحُهَا"[3]

"ابراہیم بن سعد نے ابن عباس سے اس عورت کے بارے پوچھا جسے اس کے شوہر نے دو طلاقیں دی ہیں، پھر اس عورت نے خلع لے لیا، کیا وہ شخص اب اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے؟ تو ابن عباس نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے طلاق کو آیاتِ خلع (البقرۃ: ۲۲۹، ۲۳۰) کے شروع اور آخر میں ذکر کیا ہے اور خلع کو دونوں کے درمیان۔ اور خلع طلاق نہیں ہوتی، وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول بروایت عکرمہ یوں بھی مروی ہے:

۱ سنن نسائی: ۳۴۹۸، باب عدۃ المختلعہ... قالہ الالبانی: صحیح
۲ فَرَفَعَ ذَلِكَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَأَجَازَهُ... الناسخ والمنسوخ از قاسم بن سلام، رقم ۲۲۸
۳ السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب الخلع ہل ہو فسخ او طلاق: ۷/۳۱۶، رقم ۱۴۸۶۳؛ مصنف عبد الرزاق: ۶/۴۸۶: رقم ۱۱۷۷۱، باب الفداء؛ سنن سعید بن منصور: ۱۴۵۵... اسنادہ صحیح

ما أجازه المال فليس بطلاق[1]

"جس (جدائی) کو مال جاری کرے، وہ طلاق نہیں ہوتی۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کی حتمی وضاحت بقول ابن خزیمہ یوں ہے کہ

إنه لا يثبت عن أحد أنه رأى الخلع طلاق[2]

"ان صحابہ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ خلع کو طلاق سمجھتے ہوں۔"

⑥ خلع کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف یہ تھا کہ اس کے بعد طلاق دینا بے فائدہ ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَنَّهُمَا قَالَا: فِي الْمُخْتَلِعَةِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا قَالَا: "لَا يَلْزَمُهَا طَلَاقٌ لِأَنَّهُ طَلَّقَ مَا لَا يَمْلِكُ"[3]

"سیدنا ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ جس خلع کرنے والی کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو اس کو طلاق نہیں لگتی کیونکہ شوہر نے وہاں طلاق دی جو اس کی ملکیت (نکاح میں) ہی نہیں ہے۔"

مصنف عبد الرزاق میں یہی اثر ان الفاظ سے ہے:

فَاتَّفَقَا عَلَى أَنَّهُ مَا طَلَّقَ بَعْدَ الْخُلْعِ، فَلَا يُحْسَبُ شَيْئًا، قَالَا: «مَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، إِنَّمَا طَلَّقَ مَا لَا يَمْلِكُ»[4]

"ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں متفق تھے کہ جس نے بھی خلع کے بعد طلاق دی تو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور دونوں کہتے: جس نے اپنی (خلع مانگنے والی) عورت کو طلاق دی تو اس نے وہاں طلاق دی جہاں اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔"

⑦ خلع کی صورت میں طلاق نہیں بلکہ افتراق یعنی جدائی ہوتی ہے، سیدنا ابن عباس سے مروی ہے:

"إِنَّمَا هُوَ فُرْقَةٌ وَفَسْخٌ، لَيْسَ بِطَلَاقٍ، ذَكَرَ اللهُ الطَّلَاقَ فِي أَوَّلِ الْآيَةِ وَفِي آخِرِهَا، وَالْخُلْعَ بَيْنَ ذَلِكَ فَلَيْسَ بِطَلَاقٍ[5]

۱ مصنف عبد الرزاق: ۶/۴۸۶، رقم ۱۱۷۶۸، باب الفداء... اسنادہ صحیح
۲ تلخیص الحبیر از حافظ ابن حجر عسقلانی: ۳/۴۳۳، دار الکتب العلمیہ
۳ السنن الکبریٰ از امام بیہقی: کتاب الخلع، باب المختلعة لا يلحقها طلاق: رقم ۱۴۸۶۶
۴ مصنف عبد الرزاق: ۶/۴۸۷، رقم ۱۱۷۷۲، باب الطلاق بعد الفداء
۵ مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۱۱۸، رقم ۱۸۴۵۱، باب من كان لا يرى الخلع طلاقا

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"خلع افتراق اور فسخ ہے، طلاق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیاتِ خلع کے آغاز میں طلاق کو ذکر کیا اور پھر آخر میں اور خلع کو دونوں کے درمیان میں، جو کہ طلاق نہیں ہے۔"

اور بعض روایات میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یوں ہیں:

إِنَّمَا هُوَ الْفِدَاءُ، وَلَكِنَّ النَّاسَ أَخْطَئُوا اسْمَهُ... لَيْسَ الْفِدَاءُ بِتَطْلِيقٍ[1]

"خلع کو افتدا (فدیہ دے کر جدائی لینا) کہتے ہیں، لوگوں نے طلاق کا نام رکھ کر اس کے نام رکھنے میں خطا کھائی ہے.. افتدا طلاق نہیں ہوتا۔"

مذکورہ بالا روایاتِ حدیث میں بیوی کے شوہر سے علیحدگی کے مطالبے کو جُدائی کا حکم، راستہ چھوڑ دینے، گھر بیٹھ جانے اور خلع کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جبکہ خلع میں طلاق کا حکم ثابت شدہ نہیں اور بتایا گیا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہوتی بلکہ خلع والی عورت کو طلاق دینا غیر محل میں طلاق دینے کے مترادف ہے، جو رائیگاں اور غیر مؤثر ہے۔ اگر خلع کو طلاق مانا جائے تو پھر آیاتِ خلع میں تین کی بجائے چار طلاقوں کو ماننا پڑے گا، جو ایک مضحکہ خیز بات ہے اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ اوپر جن احادیث وآثار کو بیان کیا گیا، ان کے جو عنوانات محدثین نے قائم کیے ہیں، اس سے محدثین کے موقف کا بھی علم ہوتا ہے، مثلاً مصنف عبد الرزاق میں باب الطلاق بعد الفداء، باب من كان لا يرى الخلع طلاقًا، اور السنن الکبریٰ للبیہقی میں باب المختلعة لا يلحقها طلاق، باب الخلع هل هو فسخ أو طلاق؟ وغیرہ

یہ بھی واضح رہے کہ مذکورہ احادیثِ خلع کے راوی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، اور اس کے باوجود وہ خلع کو طلاق نہیں مانتے، بلکہ اسے افتراق اور فسخ (لغوی لحاظ سے یعنی خاتمہ نکاح) قرار دیتے ہیں۔ اس کو طلاقوں میں شمار بھی نہیں کرتے، دو طلاقوں کے بعد خلع والی عورت کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ موقف کئی ایک روایات سے ثابت ہوتا ہے، جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان سے طلاق کے حکم والے الفاظ جو ازہر بن جمیل نے بخاری میں موصولاً بیان کیے ہیں، ازہر کا شذوذ ہی ہے جس کو دیگر ثقہ راویوں کے مقابلے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ حافظ عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ابن عباس نے باوجود راوی حدیث ہونے کے فسخ کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ کوئی کمزور دلیل نہیں

1 ...وَكَانَ يَقُولُ: ذَكَرَ اللهُ الطَّلَاقَ قَبْلَ الْفِدَاءِ وَبَعْدَهُ، وَذَكَرَ اللهُ الْفِدَاءَ بَيْنَ ذَلِكَ فَلَا أَسْمَعُهُ ذَكَرَ فِي الْفِدَاءِ طَلَاقًا قَالَ: وَكَانَ لَا يَرَاهُ تَطْلِيقَةً (مصنف عبد الرزاق: ۶/۴۸۵، رقم ۱۱۷۶۵، باب الفداء)

ہے۔ ابن عبد البر نے اگرچہ اس کو شاذ کہا ہے مگر حافظ ابن حجر نے اس کو رد کر دیا ہے۔ اور کہا کہ اس فتویٰ کی روایت کرنے والا طاؤس ہے، جو ثقہ، حافظ اور فقیہ ہے۔"[1]

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خلع کو فسخ کہنا شاذ نہیں کیونکہ ان کا یہ موقف کئی واقعات اور اسناد سے ثابت ہے، ان کے ساتھ دیگر صحابہ کا بھی یہی موقف ہے، اور بقول حافظ ابن حجر مستند روایات سے ثابت ہے۔ ان کے ایک سے زیادہ فتاویٰ میں یہی موقف بیان ہوا ہے، جن میں سے بعض اوپر ذکر ہوئے ہیں۔ جبکہ روایتِ بخاری میں طلاق دینے کا حکم شاذ ہے جس کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے۔

مذکورہ آیت واحادیث سے پتہ چلتا ہے کہ

① جب بیوی، شوہر سے حق مہر/فدیہ کی ادائیگی پر جدائی کا مطالبہ کرے تو اسے خُلع کہتے ہیں۔
② خلع کا مطالبہ کرنے والی عورت کو شوہر کی طرف سے دیا ہوا حق مہر وغیرہ واپس کرنا ہوتا ہے۔
③ خلع عورت کا حق ہے جس کے لیے کسی معقول وجہ کے علاوہ محض خاوند کی ناپسندی اور اس کی ناشکری کا بھی قاضی کو اعتبار کرنا چاہیے، تاہم ایسی صورتِ حال امر واقعہ میں موجود ہونی چاہیے کہ حدود اللہ ٹوٹنے کا خوف ہو، نہ کہ صرف غلط بیانی، من پسندی اور خواہش نفس کی بنا پر بیوی اس کا مطالبہ کرلے، وگرنہ وہ عند اللہ سنگین وعید کی سزاوار ہوگی۔
④ عورت اگر شوہر کو خلع پر راضی نہ کرسکے تو قاضی سے رجوع کرے اور قاضی شوہر کو خلع (جدا کرنے) کا کہے اور عورت کے حق خلع کو نافذ کرا دے۔
⑤ قاضی اس سلسلے میں شوہر کی رضامندی حاصل کرنے کا پابند نہیں، اور حق مہر کی واپسی پر یکطرفہ فیصلہ کرسکتا ہے۔ اور اسے خُلع ہی کہتے ہیں نہ کہ فسخ نکاح۔
⑥ خلع پر طلاق کے احکام لاگو نہیں ہوتے، اور خلع والی عورت کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔
⑦ خلع میں طلاق کی بجائے 'افتراق' یعنی جدائی ہوتی ہے اور اس میں نکاح ختم ہو جاتا ہے۔
⑧ خلع کی عدت ایک حیض ہے جس میں خاوند رجوع نہیں کرسکتا۔

فقہ حنفی اور خلع

شرعِ اسلامی میں عورت کے لیے مرد سے علیحدگی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اور نظام بیان ہوا ہے،

1 فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ۳/۲۸۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جس کو خلع کہا جاتا ہے یعنی حق مہر رفدیہ دے کر جدائی حاصل کرنا۔ اس میں طلاق کا لفظ بولا جائے یا فسخ نکاح کا، بہر حال عورت کا حق علیحدگی مسلمہ ہے۔ اور یہ حق شریعتِ اسلامیہ نے اوّل روز سے ہی مسلم خواتین کو دیا ہے۔ اگر شوہر طلاق کا لفظ بولے یا حدیث نبوی میں یہ لفظ ثابت بھی ہو جائے تو یہ طلاق شرعی کی بجائے طلاق لغوی یا مجازی ہے جس کا معنی افتراق رجدائی ہے کیونکہ خلع کی صورت میں طلاق کے شرعی احکام لاگو نہیں ہوتے بلکہ نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ یہ موقف علامہ ابن تیمیہ کا ہے جسے زاد المعاد میں حافظ ابن قیم نے بھی اختیار کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

... فمتى فارقها بعوض فهي مفتدية لنفسها به، وهو خالع لها بأي لفظ كان، لان الاعتبار في العقود بمعانيها لا بالألفاظ، وقد ذكرنا وبيّنا أن الآثار الثابتة في هذا الباب عن النبي ﷺ وعن ابن عباس وغيره تدلّ دلالة بيّنة أنه خلع، وإن كان بلفظ الطلاق ...[1]

"جب بھی شوہر بیوی کو کسی فدیہ کے عوض جدا کرے تو گویا عورت اپنی ذات کا فدیہ دینے والی اور مرد اس عورت سے خلع کرنے والا ہے، چاہے الفاظ جو بھی ہوں۔ کیونکہ معاہدات میں لحاظ معانی کا ہوتا ہے، الفاظ کا نہیں۔ اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابن عباس سے صحیح مرویات اسی امر پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ یہ خلع ہی ہے، چاہے وہ طلاق کے الفاظ سے ہی کیوں نہ ہو۔"

حافظ عبد اللہ محدث روپڑی بھی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"ممکن ہے کہ حدیث میں طلاق سے لغوی معنیٰ (مطلق چھوڑنا) مراد ہو، جیسے دوسری روایتوں میں خلّ سبیلها وفارقها وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں..."[2]

جبکہ فقہ حنفی میں خلع، عورت کا ایک مستقل حق ہونے کی بجائے دراصل مرد سے طلاق کا مطالبہ ہے اور ان کے نزدیک اس میں مرد کا طلاق کہنا ضروری ہے، اس میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے، اور اس کی عدت بھی تین حیض ہے، گویا خلع طلاق کے مترادف ہی ہوا، صرف اس میں عورت مرد سے طلاق مانگے گی۔ چنانچہ کونسل کے چیئرمین کہتے ہیں: خلع کا حق صرف خاوند کے پاس ہے۔ گویا خلع

[1] فتاوی ابن تیمیہ: ۳۲/ ۳۰۰

[2] فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ۳/ ۲۸۱

عورت کے بجائے مرد کا ہی حق ہے جو ایک عجیب بات ہے۔ اس بنا پر حنفی فقہ میں مرد اور عورت اگر باہمی رضامندی سے خلع کرلیں (یعنی مرد طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے) تو اس کی تو گنجائش ہے، تاہم اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو عورت قاضی سے حق خلع حاصل کرنے پر قادر نہیں۔ اور اسی بات سے اسلامی نظریاتی کونسل نے پاکستانی عدالتوں کو روکا ہے کہ

"مروّجہ عدالتی خلع جس میں شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ ڈگری جاری کرتی ہے، درست نہیں۔ عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور فسخ نکاح میں فرق کریں۔"

نیز اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی نے کہا ہے کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت یک طرفہ طور پر خلع کی ڈگری جاری نہیں کرسکتی، عدالتوں کو چاہیے کہ وہ خلع اور تنسیخ نکاح میں فرق کریں... تفویض طلاق شرعاً درست ہے۔"

کونسل کی مذکورہ بالا سفارش میں تین باتوں کی تلقین کی گئی ہے:

① خلع صرف شوہر کی مرضی سے ہوتا ہے۔ خلع کا حق صرف خاوند کے پاس ہے۔

② اگر عدالت میں خلع کا کیس دائر کیا جائے تو اس میں یک طرفہ فیصلہ درست نہیں اور اس صورت میں خلع کی بجائے فسخ نکاح ہوگا۔

③ عورت کو علیحدگی حاصل کرنے کے لیے تفویض طلاق کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

کونسل کی یہ تینوں سفارشات درج ذیل وجوہ کی بنا پر درست نہیں:

① یہ تعبیر قرآن کریم، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابہ کے مخالف ہے اور فقہ حنفی کی ایک خاص تعبیر کو پروان چڑھانے کے مترادف ہے جس میں عورت کے حق خلع کی نفی مضمر ہے۔ بعض حنفی علما اور دیگر فقہائے کرام بھی اس خیال سے متفق نہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو پاکستان میں پائے جانے والے تمام فقہی مکاتبِ فکر کا ترجمان ہونا چاہیے، اسے کسی ایک مخصوص فقہی تعبیر کو فروغ دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

② کہا یہ جاتا ہے کہ خلع کے طریق کار کو آسان بنا دینے سے زوجین میں علیحدگی کے امکانات میں اضافہ ہو جائے گا، مغربی تہذیب پروان چڑھے گی، اس لیے عدالتی خلع کا راستہ بند کیا جائے، اور تفویض طلاق یا فسخ نکاح کے راستے اختیار کیے جائیں۔ حنفی علما کی یہ منطق درست نہیں کیونکہ جو حق خواتین کو قرآنِ کریم اور واضح احادیثِ نبویہ نے دیا ہے، آزادی نسواں کے مغربی تصور کے نام پر خواتین سے وہ حق لیا نہیں جاسکتا اور شرعِ اسلامی سے مغربی تہذیب کبھی پروان نہیں چڑھ

مجلس التحقيق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سکتی۔ عدالتی خلع کے شرعی طریق کار سے زوجین میں جدائی کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی، بلکہ تفویض طلاق کے اس غیر شرعی تصور سے جدائی کے امکانات وسیع تر ہوتے ہیں جسے حنفی فقہا نے اپنے تئیں پاکستانی قانون میں متعارف کرا رکھا ہے اور اب کونسل بھی اس کے فروغ کی سفارش کر رہی ہے کہ نکاح کے موقع پر مرد اپنا حق طلاق بیوی کو تفویض کردے اور بیوی جب چاہے کسی حق مہر وغیرہ کی واپسی کے بغیر ہی اپنے لیے طلاق کا فیصلہ کرلے۔

④ خلع عورت کا حق ہے جسے فقہ حنفی میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ فقہ حنفی میں اس کی وہی صورت درست ہے جب خاوند راضی ہو، جبکہ اکثر شوہر اس بات سے راضی نہیں ہوتے، اس صورت میں بیوی اپنا یہ حق کیوں کر حاصل کرے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صحابیات کو یہ حق خلع خود لے کر دیا۔ تاہم فقہ حنفی میں جب عورت کے اس شرعی حق کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو اس کے لیے جدائی کا امکان پیدا کرنے کے لیے کبھی مساس بقصدِ شہوت اور کبھی تفویض طلاق کے حیلہ کو متعارف کرایا جاتا ہے، جو درست نہیں۔ جیسا کہ نظریاتی کونسل کے چیئرمین مولانا شیرانی نے اپنے بیان میں تفویض طلاق کا راستہ دکھایا ہے اور مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"بعض ایسے حالات پیدا ہوسکتے ہیں جن میں عورت کو مرد سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے اس سے طلاق یا خلع حاصل ہونے کی کوئی صورت نہ بن سکے۔ حنفی مذہب میں اس کے لیے بہترین طریقہ تفویض طلاق کا ہے۔ اگر نکاح کے آغاز میں اس طریقے کو اختیار کرلیا جائے تو ایسے حالات میں کوئی مشکل پیدا نہیں ہوسکتی۔"[1]

تفویض طلاق کا مطلب یہ ہے کہ عقدِ نکاح کے وقت شرائطِ نکاح میں مرد طلاق دینے کا اپنا حق عورت کو تفویض کردے کہ عورت جب چاہے، مرد کو اس کے عطا کردہ حق کی بنا پر طلاق دے سکتی ہے۔ غور طلب امر ہے کہ اسلام نے عورت کو جدائی کا حق از خود بصورتِ خلع دیا ہے، جس میں اسے حق مہر واپس کرنا ہوتا ہے اور یہ حق آیت واحادیث سے ثابت ہے، جبکہ حنفی علما اس حق کو مرد سے مستعار لینے کی شرط عقدِ نکاح میں رکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اگر اس حق طلاق کی منتقلی کو مان لیا جائے تو کیا بغیر حق مہر ادائیگی کے میاں بیوی میں امکانِ طلاق سے افتراق زوجین کے امکانات میں اضافہ ہوگا، یا احادیث میں بیان کردہ طریق خلع پر عمل کرنے سے۔ واضح ہے کہ احادیث میں عورت کو

1 حیلہ ناجزہ از مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کا مقدمہ از مولانا تقی عثمانی: ص۹

یہ حق بعض شرائط کے ساتھ دیا گیا ہے اور وہی عورت کی نفسیات سے زیادہ ہم آہنگ طریقہ ہے۔

ثانیاً، تفویض طلاق نکاح کی ایسی شرط ہے جو شرعی نظامِ نکاح میں بنیادی تبدیلی لانے والی ہے، اور ایسی شرطوں کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلی شُرُوْطِهِمْ إِلَّاشَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ اَحَلَّ حَرَامًا»[1]

"مسلمانوں کے لیے اپنی طے کردہ شرطوں کی پابندی ضروری ہے، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کردے۔ (ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی)"

سیدہ بریرہؓ کی آزادی کے بارے میں جب ان کے مالکان نے ایسی شرط لگائی جو آزادی اور ولاء کے نظام کو متاثر کرنے والی تھی تو نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے پر ناراضی کا اظہار فرمایا:

«مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَاكَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»[2]

"لوگوں کا کیا حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں؟ (یاد رکھو) جو شرط ایسی ہوگی جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ حق دار ہے (کہ اس کو مانا جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (کہ اس کی پاسداری کی جائے) وَلاء اسی کا حق ہے جس نے اسے آزاد کیا۔"

معلوم ہوا کہ نکاح میں شرطیں لگائی جاسکتی ہیں اور انہیں پورا کرنا چاہیے لیکن وہ ایسی نہ ہوں جس میں نظامِ شرعی کو ہی تبدیل کردیا جائے۔ مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ لکھتے ہیں:

"عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا، امر باطل ہے۔ اس سے حکم شریعت میں تبدیلی لازم آتی ہے، مرد کا جو حق ہے وہ عورت کو مل جاتا ہے اور عورت جو مرد کی محکوم ہے، وہ حاکم (قوّام) بن جاتی ہے اور مرد اپنی قوّامیت کو (جو اللہ نے اسے عطا کی ہے) چھوڑ کر محکومیت کے درجے میں آجاتا ہے، یا بالفاظِ دیگر عورت طلاق کی مالک بن کر مرد بن جاتی ہے اور مرد عورت بن جاتا ہے کہ بیوی اگر اسے طلاق دے دے تو وہ سوائے اپنی بے بسی اور بے چارگی پہ رونے کے کچھ

1 جامع ترمذی: ۱۳۵۲
2 صحیح بخاری: ۲۱۶۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نہیں کرسکتا۔ ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾﴾ "[1]

ثالثاً: تفویض نکاح کے حیلہ کے غلط ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام میں عقدِ نکاح مرد کے ہاتھ میں ہے، اور وہ اکثر و بیشتر صورتوں میں مرد کے پاس ہی رہتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم یہ کہتا ہے کہ

﴿بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ...﴾[2] "اس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔"

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «... إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ»[3]

"طلاق وہی دے سکتا ہے جو پنڈلی پکڑنے کا مجاز ہے۔"

یعنی اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اس کے شوہر کو ہی حاصل ہے۔ اب طلاق دینے کا حق تو مرد کے پاس ہی ہے البتہ عقد نکاح، مرد کے ہاتھ میں ہونے کا قرآنی حکم عام ہے اور حدیثِ خلع اس کو خاص / محدود کرنے والی ہے۔ یعنی جب عورت حق مہر دے کر اپنے سے لباس نکاح کو اُتارنا / کھینچنا چاہے تو وہ ایسا کرسکتی ہے اور یہ طلاق نہیں بلکہ افتراق یا فُرقة کہلاتا ہے جس میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خلع کے حکم کے لیے یہ اصطلاح صحابہ کرام اور فقہا نے استعمال[4] کی ہے۔ گویا عورت کا حق خلع، مرد کے حق طلاق کے مقابل ہے جس میں عورت کو حق مہر کی واپسی اور بعض اوقات قاضی کی مدد / فیصلے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔

جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو چاہے کوئی مرد طلاق کو اپنی عورت کو تفویض بھی کردے تو تفویض کردینے میں مرد کا عمل ہی بنیاد اور اساس ہے، اور پھر طلاق کی تعداد و کیفیت بھی وہی ہوگی جو مرد کی نیت میں ہے، اگر مرد کی نیت طلاقِ رجعی کی ہے تو تفویض طلاق کے باوجود طلاقِ رجعی ہی واقع ہوگی۔ گویا ظاہری تفویض طلاق کے باوجود یہ طلاق دراصل مرد ہی عورت کو دیتا ہے۔ نکاح میں تخییر، توکیل اور مصالحت کی صورتوں میں مرد ہی عقدِ نکاح کا مالک رہتا ہے۔ مذکورہ بالا مسائل کی مزید تفصیلات محدث میں شائع شدہ حافظ صلاح الدین یوسف ﷫ کے مضمون میں ملاحظہ[5] کی جاسکتی ہیں۔

1 "عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!" ماہ نامہ محدث شمارہ ۳۶۱، ص ۶۲
2 سورۃ البقرۃ: ۲۳۷
3 سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۰۸۱... علامہ البانی نے ارواء الغلیل: ۲۰۴۱ میں اسے حسن کہا۔
4 دیکھیں پیچھے گزرنے والی احادیث خلع میں نبی کریم ﷺ کے شوہر کو احکام، صحابہ کے فتاویٰ کے الفاظ، جبکہ فقہا کی تعریفات اور مزید اقوالِ صحابہ اگلی قسط میں ملاحظہ کریں۔
5 "عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!" ماہنامہ محدث شمارہ ۳۶۱ ص ۶۲ تا ۷۰

طلاق تفویض کی مخالفت کرتے ہوئے کراچی یونیورسٹی کے کلیہ علوم اسلامیہ کے ڈین ڈاکٹر شکیل اوج جو حنفی بریلوی ہیں، لکھتے ہیں:

"تفویض طلاق میں گرہِ نکاح عورت کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، اور وہ حق طلاق کو خود ہی اپنے خلاف استعمال کرکے اپنے شوہر سے الگ ہوجاتی ہے۔ گویا خود ہی طالقہ اور خود ہی مطلقہ بھی یعنی فاعلہ بھی خود اور مفعولہ بھی خود، یہ بالکل ایسے ہی بات ہے کہ کوئی شخص خود اپنے آپ سے نکاح کرلے، گویا خود ہی ناکح ہو اور خود ہی منکوحہ۔ ذرا سوچیے کہ تفویض طلاق کی صورت حال کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ کوئی ہے جو اس پر غور کرے۔"[1]

نکاح کی گرہ کے مرد کے ہاتھ میں ہونے کے مزید دلائل درج کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

"تفویض طلاق کو سمجھنے کے لیے خلع کے قانون کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک خلع کا قانون اپنی فطرت اور اصل میں تفویض طلاق کے قانون کا نقیض ہے۔"

یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض اس بنا پر ہیں، کیونکہ تفویض طلاق تو مرد کے دیے ہوئے حق کو اس کی عطا کردہ حدود میں استعمال کرنا ہے جبکہ خلع عورت کا اپنا حق ہے جو عام قرآنی حکم سے خاص کرتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جب خلع میں مرد و عورت دونوں کے مابین رضامندی ہوجائے، وہاں تک تو کوئی مسئلہ نہیں۔ البتہ اگر شوہر خلع دینے پر آمادہ نہ ہو تو عورت اپنا حق علیحدگی قاضی کے ذریعے حاصل کرے گی۔ حافظ عبد اللہ محدث روپڑی ﷫ لکھتے ہیں:

"(ان احادیث سے) معلوم ہوا کہ خاوند کی طرف سے اگرچہ عورت کے حق میں کوتاہی نہ ہو، لیکن عورت کو جب کسی وجہ سے طبعی نفرت ہو جس کو وہ برداشت نہیں کرسکتی تو وہ [قاضی سے] خلع کراسکتی ہے۔"[2]

④ احادیثِ نبویہ میں قاضی کے دباؤ پر یک طرفہ ڈگری کو خلع کہا گیا، چاہے وہ شوہر کی رضا سے ہو، یا اس پر دباؤ کے ذریعے قاضی اس حق کو حاصل کرکے دے۔ اب حنفی علما کہتے ہیں کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر ہونے والے خلع کو خُلع نہ کہا جائے بلکہ فسخ نکاح کہا جائے، تو یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے شوہر کو حکم دیا اور دونوں نے جدائی

1 ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، دار المصنفین، انڈیا... جنوری ۲۰۰۷ء صفحات ۲۳ تا ۳۴ ملخصاً بحوالہ ماہنامہ محدث، ستمبر ۲۰۱۳ء، شمارہ ۳۶۲، ص ۶۸
2 فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی: ۳/ ۲۸۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اختیار کرلی اور اسے خلع ہی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ پیچھے مذکور احادیث ثابت بن قیس اور رُبیع بنت معوذ (نمبر۵، ۴، ۳) میں اسے اختَلَعَت یعنی خلع کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور دونوں واقعات میں خلع کو قاضی کے ذریعے نافذ کیا گیا تھا۔ قاضی نے عورت کی ناپسندیدگی کا جائزہ لیا، حق مہر کی واپسی کا وعدہ لیا اور شوہر سے مرضی دریافت کیے بغیر خلع کرادیا۔

واضح رہنا چاہیے کہ اگر عورت جدائی کے لیے حق مہر واپس کرے گی تو قاضی کے کہنے پر شوہر علیحدہ کرے، یا قاضی کی نوبت ہی نہ آئے اور رضامندی سے گھر بیٹھے شوہر علیحدگی پر آمادہ ہوجائے، ہر دو صورت میں یہ خلع ہی ہے۔ احناف کا رضامندی والی صورت کے خلع پر طلاق کے احکام جاری کرنا بھی غلط ہے اور قاضی کے دباؤ والی صورت پر فسخ کے کامل احکام جاری کرنا بھی درست نہیں۔ خلع کی یہ دونوں صورتیں دراصل افتراق ہیں، خلع کی دونوں صورتوں پر طلاق یا فسخ کے الفاظ کا استعمال مجازی ہے۔ یہاں طلاق یا فسخ سے مراد نکاح کا خاتمہ اور میاں بیوی کے مابین علیحدگی ہے۔

خلع کی عدالتی صورتوں کو خلع کے بجائے فسخ کہنا احادیث کی مخالفت ہے اور اس کی رضامندی والی صورت میں طلاق کے احکام جاری کرنا بھی زیادتی ہے کیونکہ ہر وہ خلع جس میں عورت مطالبہ کرے اور حق مہر/فدیہ دے تو اس میں جدائی حاصل ہوجائے گی اور طلاق کے الفاظ بولے بھی جائیں تب بھی وہاں طلاق کے مکمل احکام جاری نہیں ہوں گے۔ بطورِ مثال اگر شوہر رضامندی سے گھر بیٹھے بیوی کو حق مہر وصول کرکے خلع دے دیتا ہے تو کیا اس عورت سے وہ رجوع کرسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ وہ طلاق نہیں بلکہ خلع ہے۔ اور کیا وہ عورت تین ماہ کی عدت گزارے گی؟ ظاہر ہے کہ نہیں بلکہ صرف ایک ماہ کی عدت گزارے گی جو خلع والی عورت کی عدت ہے۔ اور نہ ہی خلع پر فسخ کے کلی/حقیقی احکام جاری ہوں گے، کیونکہ حقیقی فسخ میں حق مہر واپس کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے خلع کی ہر دو صورت پر طلاق اور فسخ کے الفاظ کا استعمال لغوی اور مجازی ہے۔ پتہ چلا کہ

① عورت کو علیحدگی کا شرعی طریقہ ہی اختیار کرنا چاہیے، نہ کہ تفویض طلاق جیسے غیر شرعی حیلے

② عورت اگر حق مہر دے کر جدائی لیتی ہے تو شرعاً اس کو خلع کہتے ہیں۔ چاہے وہ گھر بیٹھے ہو یا عدالت کے ذریعے عورت حق خلع حاصل کرے۔

③ خلع کی ہر صورت میں عورت کا حق علیحدگی مسلمہ ہے، تاہم زوجین میں نفرت یا حدود اللہ کے ٹوٹنے کے خوف کا موجود ہونا ضروری ہے۔

④ خلع پر افتراق کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ خلع کی صورتیں چاہے طلاق کے الفاظ سے ہوں، تاہم کسی صورت میں اس سے طلاق مراد نہیں ہوتی کیونکہ طلاق مرد دیتا ہے، اور خلع عورت لیتی ہے۔ اور نہ اس پر فسخ کے کلی احکام لگتے ہیں کیونکہ حقیقی فسخ میں حق مہر واپس کرنا ضروری نہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی تینوں سفارشات قرآن وحدیث سے عدم مطابقت اور ایک مخصوص فقہی موقف کی ترجمانی کی بنا پر قابل اصلاح ہیں۔ ان میں عورت کے حق خلع کی نفی کی گئی ہے کیونکہ زوجین کی رضامندی والے خلع میں (اسے شوہر کے ہاتھ میں دے کر) طلاق کے احکام جاری کردیے گئے ہیں، تو یہ خلع کے شرعی تقاضوں کی نفی ہوئی۔ اور عدالت کے ذریعے خلع کو فَسخ کا نام دے دیا گیا اور اسے قاضی کے ہاتھ میں کردیا گیا ہے، جبکہ عورت سے حق مہر بھی واپس لیا جارہا ہے تو یہ بھی شرعی خلع نہ ہوا۔ پھر جب عورت کا حق افتراق باقی نہ رہا تو عورت کو یہ حق دینے کے لیے اپنے پاس سے طلاق تفویض تجویز کردی گئی جو پھر دراصل مرد کا ہی حق طلاق ہے اور نظام نکاح میں اساسی تبدیلی کا موجب ہے، اس بنا پر یہ تینوں پہلو ہی توجہ طلب ہیں۔ عملاً احناف کے ہاں افتراق زوجین کے دو ہی طریقے (طلاق وفسخ) مشروع ومؤثر ہیں جس سے بعض حنفی علما بھی اتفاق نہیں کرتے۔ اس سلسلے کی مزید تفصیل کے لیے دوسری قسط کا انتظار کریں جس میں واضح کیا جائے گا کہ طلاق، خلع اور فسخ میں باہمی کیا کیا فروق ہیں، اور خلع پر طلاق کے احکام جاری نہیں ہوتے، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے؟ اس سلسلے میں قاضی/عدالت کے اختیارات کیا ہیں اور انکی شرعی بنیاد کیا ہے؟

اسلامی نظریاتی کونسل کو چاہیے کہ اپنی سفارشات میں تمام فقہی رجحانات کو پیش نظر رکھیں، قرآن واحادیث سے قریب تر رہا جائے اور اپنی فقہی تعبیر کو زیادہ محتاط ومتوازن بنایا جائے۔ کونسل میں عنقریب خلع، فسخ اور لعان وغیرہ پر تحقیقی کام کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس میں مذکورہ بالا آرا کو بھی پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔ ہماری معروضات میں بہت سی ایسی مشترک باتیں ہیں جن کو سامنے رکھ کر ایک متفقہ موقف تک پہنچا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اسلامی معاشرت کو قائم کرنے، بچانے اور خدمتِ اسلام کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

محمد نعمان فاروقی

آیاتِ قرآنیہ کے نام اور ان کے بعض احکام

قرآن مجید کی سورتوں کے ناموں کو اکثر لوگ جانتے ہیں مگر کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن کے مفسرین نے نام رکھے ہیں اور وہ تفسیر کرتے ہوئے ان کے باقاعدہ نام لیتے ہیں۔ اور آیات کے نام رکھے بھی جاسکتے ہیں جیسا کہ بعض آیات کے نام نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہیں۔ عربی تفاسیر کے مطالعے کے دوران میں ان آیات کا نام لیا جاتا ہے مگر ان کا علم نہ ہونے کی وجہ سے فہم میں خلارہ جاتا ہے۔ اسی ضرورت کے تحت وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن کے نام مفسرین کے ہاں متداول ہیں اور ساتھ ہی ان آیات کے سببِ نزول، مختصر احکام اور نکات درج کیے جاتے ہیں۔ ان آیات کی ترتیب وہی رکھی گئی ہے جو قرآنِ مجید کی ہے۔

ابتدائی طور پر ایسی ۱۳ آیات سامنے آئی ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ آیۃ الخلع	۲۔ آیۃ الطلاق	۳۔ آیۃ الکرسی
۴۔ آیۃ الربٰی	۵۔ آیۃ المداینہ	۶۔ آیات المیراث
۷۔ آیۃ الکلالۃ / آیۃ الصیف	۸۔ آیۃ السیف	۹۔ آیۃ القتال
۱۰۔ السبع المثانی	۱۱۔ آیۃ التطہیر	۱۲۔ آیۃ التخییر
۱۳۔ آیۃ الحجاب		

۱۔ آیۃ الخلع

سورۂ بقرہ کی آیت:۲۲۹ ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ "ان دونوں پر اس بات میں گناہ نہیں ہے کہ عورت (علیحدگی کے) بدلے میں (حق مہر واپس) دے دے۔" آیت خلع کہلاتی ہے۔

خلع کیا ہے؟ زوجین میں نباہ نہ ہوسکے اور خاوند عورت کو علیحدہ کرنا چاہے تو یہ عمل طلاق کہلاتا ہے اور بیوی علیحدہ ہونا چاہے تو وہ عدالت کے ذریعے اپنا حق استعمال کرکے خاوند سے علیحدہ ہوسکتی ہے۔ عورت مرد کی طرح خود ہی فیصلہ نہیں کرسکتی اور ساتھ ہی عورت نے خاوند سے جو حق مہر وغیرہ لیا ہوتا

ہے وہ واپس کرنا پڑتا ہے۔ عورت کے اس حق کو شریعت میں 'خلع' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات بھی ہیں جیسا کہ اسی شمارے میں اس حوالے سے تفصیلی مضمون موجود ہے۔

خلع دراصل عورت کے پاس اپنے ناپسندیدہ یا حق نہ دینے والے خاوند سے علیحدہ ہونے کا ایک شرعی جواز ہے جسے وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کرسکتی ہے۔ مگر اسے عدالت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اسے علیحدگی کا کلی اختیار نہیں دیا گیا۔ اس میں بھی حکمت ہے کیونکہ عورت کی طبیعت میں حوصلہ کم اور جذباتیت اور اثرپذیری زیادہ ہے۔ ان دونوں صورتوں میں آئے روز اسے یہ اقدام کرنا پڑ جاتا۔

۲۔ آیۃ الطّلاق

سورۂ بقرہ کی آیت:۲۳۲ ﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ﴾ "اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ عدت مکمل کرلیں تو تم انھیں نہ روکو۔" یہ آیۃ الطلاق کہلاتی ہے۔

اس آیت کے مفسرین کے ہاں آیۃ الطلاق ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۳ جس میں ماؤں کو اپنے بچوں کو دودھ پلانے کا ذکر ہے اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہ بات لکھی ہے کہ آیت ۲۳۳ میں ﴿ وَالْوَالِدَاتُ ﴾ سے بچوں کی وہ مائیں مراد ہیں جنھیں طلاق مل چکی ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'آیۃ الطلاق' کے بعد اس کا ذکر فرمایا ہے۔

آیت:۲۳۲ کو آیۃ الطلاق شاید اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حتمی طلاق پر دلالت کرتی ہے، جبکہ 'الطلاق مرّتان' والی آیت:۲۲۹ میں رجعی طلاق کا تذکرہ ہے۔

بہر حال آیۃ الطلاق کا مدعا یہ ہے کہ اگر ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد عورت کی طلاقِ عدت گزر جائے تو یہ جوڑا نئے نکاح اور حق مہر کے ساتھ دوبارہ جڑ سکتا ہے۔ اور اس آیت میں ﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ﴾ "تو تم انھیں نہ روکو۔" کے الفاظ مفسرین اور فقہا کے ہاں محل اختلاف بنے ہوئے ہیں کہ یہاں مخاطب کون ہے۔ عورت / لڑکی کے ورثا یا خاوند، بعض مفسرین نے دونوں مراد لیے ہیں اور مفہوم یہ مراد لیا ہے کہ عورت سابقہ خاوند سے نکاح جدید کرنا چاہے یا کسی اور مرد سے نکاح کرنا چاہے تو

magazine.mohaddis.com

نہ اولیا روکیں اور نہ ہی سابقہ خاوند۔[1]

اور بعض نے خاوند مراد لیے ہیں۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ جاہلیت میں طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد بھی سابقہ خاوند سابقہ بیویوں کو روک رکھتے تھے کہ وہ اپنے پسندیدہ مرد سے نکاح نہ کرپائیں۔ مگر بدیہی طور پر جو مفہوم سمجھ آتا ہے وہ یہی ہے کہ لڑکی کے اولیا کو روکا جارہا ہے کہ وہ سابقہ خاوند سے سمجھوتے پر عورتوں کو نہ روکیں۔ آیت کا سببِ نزول بھی اس کی تائید کرتا ہے جو آگے آرہا ہے۔

دراصل مفسرین اور فقہا کے فہم کا یہ فرق ایک بہت ہی بڑے اور اہم فیصلے کا سبب ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس آیت سے لڑکی کے ولی کی حیثیت واضح ہوتی ہے، اس صورت میں جب اس آیت کے مخاطب لڑکی کے اولیا ہوں۔ اگر ان کی حیثیت ہی نہیں تو پھر انھیں روکا ہی نہ جاتا اور لڑکی آزاد ہوتی۔ اور جو مفسرین یا فقہا اس آیت سے عمومی مخاطبین یا خاوند مراد لیتے ہیں تو دراصل وہ لڑکی کے ولی کی حیثیت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حدیثِ مبارکہ سے ان کی حیثیت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

سببِ نزول: امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کے تحت حدیث لائے ہیں کہ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی اور ایک طلاق کے بعد اسی حال میں رکھا حتی کہ عدت گزر گئی تو خاوند نے انھیں پیغامِ نکاح بھیج دیا مگر سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا تو یہ آیتِ مبارکہ ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ نازل ہو گئی۔[2]

دوسری روایت میں مزید وضاحت کے ساتھ معقل رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ

"اے اللہ کے رسول! میں ابھی ان سے بیاہ دیتا ہوں۔"[3]

۳۔ آیۃ الکرسی

قرآنِ مجید کی اس آیت (سورۃ البقرۃ:۲۵۵) میں اللہ تعالیٰ کی کرسی کا ذکر ہے، اس لیے اس آیت کو 'آیۃ الکرسی' کہتے ہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی کرسی کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت حدیثِ مبارکہ میں

۱ المنتخب للجنة جامعة الأزهر، زیر آیت: ۲۳۲

۲ صحیح بخاری، حدیث:۴۵۲۹

۳ صحیح بخاری، حدیث:۵۱۳۰

ایسے آئی ہے:

«مَا السَّمٰوَاتُ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ إِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ فِيْ أَرْضِ فَلَاةٍ، وَفَضْلُ الْعَرْشِ عَلَى الْكُرْسِيِّ كَفَضْلِ الْفَلَاةِ عَلَى تِلْكَ الْحَلْقَةِ»[1]

"ساتوں آسمان اللہ کی کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جسے وسیع و عریض زمین میں ایک رنگ (چھلا) پڑا ہو اور عرش کی فضیلت (بڑھائی) کرسی پر ایسے ہے جیسے وسیع و عریض زمین کو اس رنگ پر ہے۔"

علامہ البانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "کرسی کے بارے میں اس کے سوا کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے اور تمام مخلوقات میں سے عرشِ الٰہی کے بعد سب سے بڑی مخلوق یہی کرسی ہے۔"[2]

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ "کرسی اللہ تعالیٰ کے مبارک قدموں کے رکھنے کی جگہ ہے۔"[3] مگر یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں، البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے یہ حقیقت ثابت ہے۔ لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔[4]

اس کا یہ نام حدیث سے ثابت ہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: قرآن مجید کی سب سے عظمت والی آیت کون سی ہے؟ اُبی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے پھر سوال کیا تو سیدنا اُبی عرض کرنے لگے: آیۃ الکرسی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَاللهِ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ!»[5]

"اللہ کی قسم! ابو منذر! تمھیں علم مبارک ہو۔"

آیۃ الکرسی کی فضیلت میں آپ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: «مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَحُلْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوتُ»[6]

۱ السلسلة الصحيحة از شیخ محمد ناصر الدین البانی: ۱۰۹

۲ السلسلة الصحيحة: ۱/۱۰۹

۳ السلسلة الصحيحة: ۲۱۱۸

۴ السلسلة الصحيحة: ۱۳/۲۶۷

۵ صحیح مسلم: ۱۹۲۱

۶ السلسلة الصحيحة: ۲/۲۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیرِ اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

"جو فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے، اس کے اور جنت کے درمیان بس موت ہی حائل ہے۔"

آیۃ الکرسی کو حفاظت کے طور پر بھی پڑھنے کی ترغیب نبوی ہے۔[1] رات کے علاوہ صبح کے وقت پڑھنے کا بھی حکم ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: «اِقْرَأْهَا كُلَّ صَبَاحٍ وَمَسَاءٍ»[2]
"اسے ہر صبح اور ہر شام پڑھا کرو۔"

۴۔ آیات الربا

سود کی آیات (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵ تا ۲۸۱) سورۂ بقرہ مدنی دور کے آغاز میں نازل ہوئی تھی، اس لیے اس میں یہود کا تفصیلی ذکر ہے اور اُنھوں نے جو سودی کاروبار اور لین دین روا رکھے تھے، مسلم معاشرے کو اس سے بچانا مقصود تھا۔ حقیقی مسلم معاشرہ وہی ہو سکتا ہے جو سود کی تمام صورتوں اور دیگر محارم سے پاک ہو۔ سود سے متعلقہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ سود ایک ظلم ہے۔ اس کا مرتکب روزِ قیامت بدحواس حالت میں اُٹھے گا۔ سود سے بظاہر مال بڑھتا ہے مگر اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے۔ سود کا جو لین دین ہو چکا سو ہو چکا، اس سے توبہ کر کے آئندہ نہ کرنے کا عزم کیا جائے۔ اور اگر اب بھی کوئی نہ رکے تو وہ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ ہی سمجھے۔

۵۔ آیۃ المداینہ

سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ آیۃ المُداینہ کہلاتی ہے، یعنی آپس میں لین دین کی آیت۔ یہ قرآنِ مجید کی طویل ترین آیت ہے اور سود کی آیات سے متصل اس کا ذکر ہے۔ یعنی مسلم معاشرے کو سود کی جملہ صورتوں سے بچ کر قرض کی صورتوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ اور قرض کے لین دین کو لکھ لینا چاہیے اور اس پر گواہ بھی بنانے چاہئیں۔ جنھیں لکھنا آتا ہے، وہ انکار نہ کریں اور نہ ہی کسی قسم کی کمی بیشی کریں۔ چھوٹی یا بڑی رقم کا تبادلہ کرتے ہوئے لکھ لیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے تو یہاں تک وعید بیان

۱ صحیح بخاری: ۲۳۱۱
۲ السلسلۃ الصحیحۃ: ۳۱۶۲

فرمائی ہے کہ "جس شخص کا کسی کے ذمّے مال ہو مگر وہ اس پر گواہ نہ بنائے، اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔"[1] ہاں اگر آمنے سامنے لین دین ہو رہا ہے جیسے دکانوں پر ایک دوسرے سے وقتی لین دین ہوتا ہے تو اس کو نہ بھی لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لیکن قرض کے معاملات کو اس لیے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم ہے کہ انسان بھول سکتا ہے اور بھولنے سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور آپس میں دوریاں اور پھر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دین ہمیں اخوت و محبت کا درس دیتا ہے۔

٦۔ آیات المیراث

سورۂ نساء کی آیات ۱۱ تا ۱۲ آیاتِ میراث کہلاتی ہیں۔ میراث کا لفظ وراثت سے ہے۔ یعنی وہ آیات جن میں وراثت کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ یہ قرآن مجید کی ۲ آیات ہیں، یعنی ۱۱ اور ۱۲ اور ایک آیۃ الکلالہ، جو آگے آ رہی ہے، ان تین آیات میں احکامِ وراثت کو سمو دیا گیا ہے۔ احکام وراثت کا خلاصہ یہ ہے: جب کوئی بھی شخص اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے اس کا چھوڑا ہوا مال و جائیداد وراثت کہلاتی ہے۔ ایک دن کا بچہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی بھی وراثت ہوتی ہے۔ وراثت ملنے میں بنیادی شرط یہ ہے کہ وراثت کے مستحق لوگ اس وقت زندہ ہوں جب وہ شخص فوت ہو جس کے وہ وارث بن رہے ہوں۔ بننے والے وارث اگر پہلے ہی فوت ہو جائیں تو وہ وارث نہیں ہوں گے اور نہ ان کی اولاد۔ وراثت کا تعلق تین وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے: ۱۔ نسب ۲۔ ازدواجی تعلق اور ۳۔ وَلاء

نسب اور میاں بیوی کی رشتہ داری تو واضح ہے مگر وَلَاء غلامی کی نسبت تھی جو اپنے مالک کی طرف ہوتی تھی، یعنی غلام فوت ہوا ہے تو اس کا مال اس کے مالک کو ملے گا۔ اسے نسبِ ولا کہتے ہیں۔

وراثت لینے والے بھی تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

① اصحابُ الفروض: وراثت کے وہ حق دار جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں جیسے خاوند، بیوی
② عصبہ: وہ وارثان جو اصحاب الفروض سے بچ جانے والا مال یا جائیداد عصبہ ہونے کی حیثیت سے لیتے ہیں جیسے بیٹا۔
③ اولوا الارحام: پہلی دونوں صورتوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر دیگر رشتہ داروں کی باری آتی ہے اور وہ

۱ السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۸۰۵

magazine.mohaddis.com

اولوالارحام کہلاتے ہیں۔

اسی طرح وراثت تقسیم کرنے کی بھی ایک ترتیب مقرر ہے:

① سب سے پہلے وراثت میں سے کفن دفن کا انتظام کیا جائے ، اس صورت میں جب کسی اور طرف سے یہ انتظام نہ ہو سکے۔

② فوت شدہ کا مکمل قرض اُتارا جائے گا۔

③ اگر میت نے ایک تہائی (۱؍۳) یا اس سے کم کی وصیت کی ہو تو اس کی وصیت کے مطابق مال تقسیم ہو گا۔ ایک تہائی سے زیادہ وصیت قبول نہ ہو گی۔

④ اب اس کی وراثت ورثا میں تقسیم ہو گی۔

آیۃ المیراث کا سببِ نزول یوں ہے کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ ؓ کہتے ہیں کہ سعد بن ربیع ؓ کی اہلیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد ؓ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد آپ کے ساتھ غزوہ اُحد میں شریک تھے اور وہ شہید ہو گئے تھے۔ ان دونوں کے چچا نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا ہے اور ان دونوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا اور ان دونوں کا نکاح نہیں ہو سکے گا جب تک ان کے پاس مال نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «يَقْضِي اللهُ فِي ذٰلِكَ» ”اللہ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔“ تو پھر آیۃ المیراث نازل ہو گئی۔ آپ ﷺ نے سعد ؓ کے بھائی کو بلوایا اور ان سے کہا: سعد ؓ کی بیٹیوں کو دو تہائی (۲؍۳) اور ان کی والدہ کو آٹھواں حصہ (۱؍۸) دو اور باقی تم لے لو۔ گویا آیۃ المیراث ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی۔

۷۔ آیۃ الکلالہ / آیۃ الصیف

سورہ نساء کی آخری آیت (آیت: ۱۷۶) یعنی آیۃ الکلالہ کو آیۃ الصیف بھی کہتے ہیں۔ 'الصیف' گرمیوں کے موسم کو کہتے ہیں۔ یہ آیت گرمیوں کے ایک موسم میں اُتری تھی اس وجہ سے اس کا نام ہی آیۃ الصیف پڑ گیا۔ سیدنا براء ؓ کہتے ہیں کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہی ہے۔[1]

'کلالہ' کی تفسیر میں ائمہ وعلما کے مختلف اقوال ہیں۔ اکثر ائمہ نے یہی بتایا ہے کہ ایسا فوت شدہ شخص جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد، وہ کلالہ کہلائے گا۔ اس آیت کا نام 'آیۃ الصیف' زبانِ نبوت سے

۱ صحیح بخاری: ۴۶۵۴

ثابت ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی اور مسئلے میں آپ ﷺ سے اتنے سوال نہیں کیے جتنے میں نے کلالہ کے بارے میں کیے حتی کہ آپ ؑ نے اپنی انگلی مبارک میرے سینے پر رکھتے ہوئے فرمایا: «يَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ»[1]

”تمھیں آیۃ الصیف ہی کافی ہے جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔“

آیۃ الصیف کے نزول کے بارے میں بھی سیدنا جابر ؓ سے مروی ہے کہ

”میں بیمار اور بے ہوشی کے عالم میں تھا، نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ آپ نے وضو کیا اور مجھ پر پانی بہایا تو مجھے ہوش آئی۔ میں نے عرض کی کہ میں حالتِ کلالہ میں ہوں تو میری وراثت کیسے تقسیم ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیۃ الفرائض (آیۃ الصیف) اُتار دی۔“[2]

اس حدیث میں اگرچہ نام 'آیۃ الفرائض' کا لیا گیا ہے مگر مسئلے کا سیاق یعنی کلالہ کی حالت بتا رہی ہے کہ اس سے مراد یہی آیتِ کلالہ ہی ہے۔ جیسا کہ امام ابن کثیر ؒ نے کہا ہے: ”ظاہر بات یہی ہے کہ سیدنا جابر ؓ کی مذکورہ حدیث سورۂ نساء کی آخری آیت کے سببِ نزول کے بارے میں ہے۔“[3]

۸۔ آیۃ السیف

سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۵ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ﴾[4]

”تو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور اُنھیں گھیر دو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔“

امام ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں: ”اور یہی آیت کریمہ ہی 'آیت السیف' ہے۔ ضحاک بن مزاحم ؒ کہتے ہیں کہ اس آیت نے نبی ﷺ کے اور مشرکین میں تمام معاہدوں کو منسوخ کر دیا۔“ گویا کہ

۱ مسند احمد بن حنبل: ۱؍۲۶

۲ مسند احمد: ۳؍۲۹۸

۳ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت سورۃ النساء ۴: ۱۱

۴ سورۃ التوبۃ ۹: ۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عہد شکنی کرنے والے مشرکوں سے معاہدہ باقی نہ رہا اور ایسے مشرکوں کا فیصلہ اب تلوار کرے گی۔ 'السیف' تلوار کو کہتے ہیں اور آیۃ السیف کا مطلب ہے: تلوار والی آیت۔ یہ تلوار ہر غیر مسلم کے خلاف نہیں جیسا کہ مستشرقین باور کراتے ہیں بلکہ عہد شکنی کرنے والے مشرکوں کے خلاف اس کا استعمال جائز ٹھہرتا ہے۔

سورتِ براءت سب سے آخر میں نازل ہوئی جیسا کہ اس کی صراحت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔[1] دراصل یہ سورت صلح حدیبیہ میں طے کیے گئے فیصلوں کی عہد شکنی کے جواب میں نازل ہوئی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیات تبوک سے واپسی پر نازل ہوئیں جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ سورت ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ اور سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے جو صراحت کی ہے کہ یہ سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، البتہ آیات نازل ہوتی رہیں۔

آیۃ السیف کا مضمون یہ ہے کہ مشرکین اگر عہد شکنی کریں تو پھر ان کے خلاف اقدام کیا جائے۔ حرمت والے مہینوں میں خود پیش قدمی سے بچا جائے مگر دشمن کی طرف سے شرارت ہو تو پھر ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾[2] ''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے ہے۔''

۹۔ آیۃ القتال

آیۃ القتال کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جن جن آیات میں قتال کا ذکر ہے، وہ سب ہی آیات القتال ہیں۔ حتیٰ کہ راقم نے عہدِ حاضر کے مفسرین حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ اور حافظ عبد السلام بھٹوی ﷾ سے رابطہ کیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ بعض نے آیۃ السیف، جو گزر چکی ہے، کو بھی آیۃ القتال قرار دیا ہے۔ مگر جب ہم عربی تفاسیر میں کسی آیت کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ فلاں حکم یا آیت کو 'آیۃ القتال' نے منسوخ کر دیا ہے تو یہی راجح نظر آتا ہے کہ یہ کوئی خاص آیت ہے۔ اور راقم کی تحقیق، جس کی بنیاد قرائن وشواہد ہیں، کے مطابق سورۂ توبہ کی آیت: ۲۹ ہی کو بعض مفسرین نے آیۃ القتال قرار دیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

---

۱ صحیح بخاری، حدیث: ۴۶۵۴

۲ سورۃ البقرۃ ۱۲:۲

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾[1]

''ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام کردہ کو حرام سمجھتے ہیں اور وہ دین حق اختیار نہیں کرتے، ان میں سے جو کتاب دیے گئے یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔''

اس میں یہود ونصاریٰ سے جنگ کا حکم ہے اور ان کی ذلت کا اظہار ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے اسی آیت کے پیش نظر غزوہ تبوک کی تیاری کی گئی۔

۱۰۔ آیات السبع المثانی

سورۂ فاتحہ کا نام السبع المثانی بھی ہے۔ ویسے تو اس کا تعلق ہمارے موضوع سے نہیں ہے کیونکہ ہم آیات کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کو اس لیے یہاں شامل کیا ہے کہ یہ السبع المثانی 'سات بار بار دہرائی جانے والی آیات' سے بھی موسوم ہے۔ اور یہ نام سورۂ حجر میں ہے، اس لیے ترتیب کے لحاظ سے اسے یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

سورۂ فاتحہ عہد مکی ہی میں نازل ہو چکی تھی۔ اس کی جامعیت کے پیش نظر اسے ہماری ہر نماز میں شامل کیا گیا۔ اس کی جامعیت یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو بھی اہم مضامین بیان ہوئے ہیں، مثلاً: توحید، صفات، ہدایت، آخرت، انعام یافتگان اور سزا یافتگان کا تذکرہ اور دیگر موضوعات۔ یہ سب کسی نہ کسی طرح اس سورت میں موجود ہیں۔

کسی بھی تکلیف میں سات مرتبہ اس کا دم کرنا مسنون ہے جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتبِ احادیث کی روایت ہے کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بچھو کے ڈسے ایک سردار کو سورۂ فاتحہ کا دم کیا تھا اور اس کے طرق میں سات مرتبہ کا ذکر بھی ہے۔[2]

---

۱ سورۃ التوبۃ ۲۹:۹

۲ جامع ترمذی: حدیث ۲۰۶۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیرِ اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

۱۱۔ آیۃ التطہیر

سورۂ احزاب کی آیت:۳۳ آیۃ التطہیر کہلاتی ہے۔ تطہیر کا مطلب ہے پاک صاف کرنا۔ اس آیت مبارکہ میں اس بارے میں بات ہے اس وجہ سے یہ آیت آیۃ التطہیر کے نام سے موسوم ہے۔ آیت ﴿ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ ﴾ سے شروع ہوتی ہے اور اس میں ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًاۚ ﴾ ''سوائے اس کے نہیں اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے ناپاکی دور کردے اور تمھیں پوری طرح پاک صاف کردے۔''

آیت کا سیاق و سباق ازواج مطہرات سے متعلق ہے مگر ﴿ عَنْكُمْ ﴾ چونکہ مذکر مخاطب کے لیے آتا ہے اس لیے یہ اہل سنت اور شیعہ مفسرین کے ہاں محل نزاع بن گیا۔ حالانکہ اہل تشیع پیغمبر ﷺ کے بعد جس پہلی ہستی کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں، وہ بھی خاتون بلکہ جنتی خواتین کی سردار سیدہ فاطمہ ہیں۔

یہ ایک طویل بحث ہے جو علیحدہ مضمون کی متقاضی ہے سردست ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں: ''یہ فضیلت و منقبت محض ازواج مطہرات کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ جملہ اہل بیت کو شامل ہے۔ اور سیدنا علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو دوسرے اہل بیت کی نسبت خصوصیت حاصل ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے خصوصی طور پر دعا فرمائی۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جس طرح فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ ﴾ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اول ہی سے تقوے پر رکھی گئی ہے۔''[1] اس کا نزول تو مسجد قبا سے متعلق ہے لیکن یہ حکم اسے اور جو اس سے بھی زیادہ اس اعزاز کی مستحق ہے اسے بھی شامل ہے اور وہ مسجد نبوی ہے۔''[2]

محب الدین طبری فرماتے ہیں: یہ حدیث (حدیث کساء) ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شامل کرنے میں رکاوٹ نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے کچھ بچوں کی طرف اشارہ کرکے کہے کہ یہ میرے بچے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ اس کے اور بچے نہ ہوں، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث سے اس وہم کا دفاع کرنا بھی مقصود ہو کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ اور ان کی اولاد

---

۱ التوبۃ۹:۱۰۸

۲ منہاج السنۃ النبویۃ:۴/۴۸

آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں۔[1]

آیتِ تطہیر سے متعلقہ اور بھی کئی ابحاث ہیں مگر اپنے موضوع سے ہٹنے کا اور طوالت کا خدشہ ہے۔

۱۲۔ آیۃ التخییر

سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۱ 'آیۃ التخییر' کہلاتی ہے۔ تخییر کا مطلب ہے: اختیار دینا۔ اس آیت میں رسول اکرم ﷺ کو ان خواتین کے متعلق یہ اختیار دیا گیا کہ آپ اُنھیں عقد میں لے لیں یا اُن کا معاملہ مؤخر کردیں جو اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کردیتی تھیں۔ آیتِ مبارکہ یہ ہے:

﴿ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ﴾[2]

''ان میں سے جسے آپ چاہیں مؤخر کردیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دے دیں اور جنھیں آپ نے علیحدہ کردیا ہو، ان میں سے کسی کو طلب کریں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔''

اس اختیار کے بارے میں ائمہ مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا ان سے وہ خواتین مراد ہیں جنھوں نے خود کو آپ ﷺ کے لیے ہبہ کردیا یا جو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن موجود تھیں، ان کی باری مقرر کرنے کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے دونوں طرف کے دلائل سامنے رکھ کر مذکورہ آیت سے دونوں قسم کے اختیار ہی مراد لیے ہیں۔ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے ایک عمدہ موقف قرار دیا ہے۔[3]

۱۳۔ آیۃ الحجاب

سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۳ آیتِ حجاب کہلاتی ہے۔ اس کا آغاز ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ ﴾ سے ہوتا ہے۔ اس میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے پردے کے پیچھے سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت:۵۵ اور آیت:۵۹ میں پردے کے مزید احکام نازل ہوئے۔ یاد رہے کہ پردے کے حکم کا نزول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر ہوا تھا۔ انھوں

---

۱ السمط الثمین في مناقب أمهات المؤمنین از امام محب الدین طبری: ص ۲۱

۲ سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۱

۳ تفسیر ابن کثیر زیر آیت سورۃ الاحزاب:۵۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی ازواجِ مطہرات کے پاس نیک اور برے ہر طرح کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ آپ اُنھیں پردے کا حکم دیجیے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم حجاب نازل فرمادیا۔[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجاب کا حکم نازل ہوا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے۔ اپنا قدم مبارک کاشانۂ نبوت کے اندر رکھا، دوسرا قدم ابھی باہر تھا تو آپ علیہ السلام نے میرے اور اپنے (گھر والوں کے) درمیان پردہ لٹکالیا۔[2] اس وقت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی عمر ۱۵ سال کے لگ بھگ تھی۔

پردے کا حکم کب نازل ہوا؟... سیدہ زینب بنت جحشؓ کا نبی ﷺ سے نکاح ذی قعدہ ۵ ہجری میں ہوا۔ اور ولیمے کی تقریب کے دوران ہی حکم حجاب نازل ہوا۔ اس سے واضح ہوا کہ پردے کا حکم ۵ ہجری میں نازل ہوا۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد پردے میں ایک واضح فرق آگیا۔ اس فرق کو آپ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حسب ذیل واقعے سے جان سکتے ہیں۔ وہ واقعہ افک بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: میں بیٹھی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا اور پہچان لیا۔ انھوں نے مجھے (حکم) حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ اُنھوں نے مجھے دیکھ کر اناللہ پڑھا تو مجھے جاگ آگئی تو میں نے فوراً اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپا۔[3]

قارئین کرام! آپ نے پڑھا کہ مادرِ اُمّت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ انھوں نے مجھے حکم حجاب کے نزول سے پہلے دیکھا ہوا تھا اس لیے انھوں نے پہچان لیا۔ اور واقعہ افک غزوہ بنو مصطلق/مریسیع سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ اس لحاظ سے جن مؤرخین نے غزوہ بنو مصطلق/مریسیع کی تاریخ ۶ ہجری بتائی ہے، وہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد مسلم خواتین اپنے چہرے کو بھی ڈھانپنے لگیں۔ اور حجاب کا حکم نازل ہونے کا مطلب بھی یہی تھا بقیہ جسم تو پہلے ہی ڈھانپا جاتا تھا۔

یہ تھیں وہ ۱۳ آیات جن کے باقاعدہ نام ہیں اور ان کے کچھ احکام اور سببِ نزول بھی ذکر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ دین کا صحیح فہم ونصب فرمائے۔ آمین!

۱ صحیح بخاری: ۴۴۸۳
۲ صحیح بخاری: ۴۷۹۳
۳ صحیح بخاری: ۴۷۵۰

ابو عمار عمر فاروق سعیدی

سفرِ حج میں مسلمان خاتون کے لیے محرم کی لازمی شرط!

حج بیت اللہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ جوں جوں حج کے مہینے اور اس کے دن قریب آتے جاتے ہیں توں توں ہر مسلمان کا دل زیارتِ حرمین کے لیے مچلنے لگتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ 'وسائل اور استطاعت' کے بغیر ہر شخص کی یہ تمنا پوری نہیں ہوسکتی۔

'استطاعت' کے بارے میں ذہن فوری طور پر بالعموم 'اخراجاتِ سفر' ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: «الزادُ والراحلة» یعنی خرچ پانی اور سواری۔ بہر حال ائمۂ اسلام نے فرضیتِ حج کی پانچ بنیادی شرطیں بیان کی ہیں۔ یعنی:

۱۔اسلام ۲۔بلوغت ۳۔عقل ۴۔حریت (آزادی) ۵۔استطاعت

'استطاعت' کی تفصیل میں صحتِ بدن، راستے کا امن، سواری اور سفر خرچ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ کسی حکمران کی طرف سے قید وغیرہ کی کوئی رکاوٹ نہ ہو، جیسے کہ آج کل ہمارے لیے ویزہ کا مسئلہ ہے۔

یہ بنیادی شرطیں مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہیں مگر خواتین کے لیے مزید ایک شرط اور بھی ہے کہ اس کا رفیقِ سفر اس کا خاوند ہو یا کوئی اور محرم رشتہ دار۔ محرم کی معیت کے بغیر مسلمان عورت کو سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خواہ وہ سفر سفرِ حج ہو یا کوئی اور۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ»[1]

"کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ ہرگز خلوت میں نہ ہو اور نہ کوئی عورت اپنے کسی محرم کے بغیر سفر کرے۔"

جب آپ ﷺ یہ فرمارہے تھے تو ایک شخص کھڑا ہوگیا اور عرض کیا کہ جناب! میری بیوی حج کے

۱ صحیح مسلم: ۳۲۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لیے روانہ ہوگئی ہے جبکہ میرا نام فلاں فلاں غزوے میں لکھا جاچکا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔''[1]

یہ حدیث اور واقعہ واضح اور صریح دلیل ہے کہ ایک مسلمان خاتون کے لیے اس کے سفرِ حج میں کسی نہ کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابی کو جہاد سے رخصت دے کر بیوی کے ساتھ حج کرنے کا حکم دیا۔ فقہ السنّۃ (از سید سابق) میں ہے:

یحییٰ بن عباد سے مروی ہے کہ اہل رَے کی ایک عورت نے جناب ابراہیم نخعی کی طرف لکھا کہ ''میں ابھی تک حج سے متمتع نہیں ہوسکی ہوں جبکہ صاحبِ وسعت بھی ہوں مگر اس سفر کے لیے میرا کوئی محرم نہیں ہے؟ تو امام صاحب نے جواب دیا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جنھیں حج کے لیے رستے کی طاقت ہو۔'' (یعنی تم معذور ہو اور محرم کے بغیر حج نہیں کرسکتی ہو)

اس مسئلہ میں اسلامی شرعی تعلیمات سخت تاکید کرتی ہیں کہ کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کیا کرے۔ اگرچہ ہمارے ہاں عملاً اس بارے میں بڑی لاپرواہی پائی جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس تاکید کا کماحقہ لحاظ نہیں رکھا جاتا جو یقیناً ایک بہت بڑا قصور ہے۔ حالات واحوال کا جبر کس قدر ہی کیوں نہ ہو، شرعی تعلیم اور شرعی اُصول مقدم رہنا چاہیے۔ اسی لیے بعض اوقات انتہائی ناگفتہ حادثات بھی پیش آتے رہتے ہیں جو یقیناً اس نبوی تعلیم سے سرتابی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ واللہ المستعان

حج کا عمل چونکہ سفر کو مستلزم ہے اور ایک عورت کے لیے جو پابندِ شریعت بھی ہو، یہ شرط اور بھی اہم ہوجاتی ہے۔ اور ہمارے ملکی ضوابط میں سفرِ حج وعمرہ کے لیے عورت کے لیے محرم ہونے کی لازمی شرط اسی لیے ہے جو یقیناً حق اور بجا ہے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات عورتیں حرمین کی زیارت کے شوق میں، جذبات سے مغلوب ہوکر جعلی طور پر کسی غیر کو اپنا محرم باور کرا کے حرمین میں پہنچ جاتی ہیں اور پھر ان کے ساتھ کماحقہ وفا نہیں کی جاتی تو وہاں رُلتی رہتی ہیں۔

اس میں کئی خرابیاں ہیں: بنیادی خرابی تو جھوٹ بولنا ہے اور وہ بھی ایک عظیم اور اعلیٰ ترین نیکی اور عبادت کے سفر کے آغاز میں جو کسی مسلمان کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ اور پھر دورانِ سفر جگہ جگہ

1 صحیح بخاری: ۵۲۳۳؛ صحیح مسلم: ۳۳۳۶

اس کا اِعادہ کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے، پردے کے شرعی تقاضے پامال کیے جاتے ہیں جو ایک کبیرہ گناہ ہے۔ اور تیسری وجہ عملی صورتِ حال ہے کہ ایک غیر محرم مرد، عورت کی بیماری وغیرہ کی صورت میں اس کا کماحقہ سہارا نہیں بن سکتا اور نہ اس کی خدمت کرسکتا ہے جیسے کہ خاوند، بیٹا، بھائی اور محرم رشتہ دار کرسکتا ہے۔ نبی ﷺ کی جانب سے خواتین کے لیے محرم کی تاکید کہ وہ اس کے بغیر سفر نہ کیا کریں فطرت کے عین مطابق ہے اور شریعت کا لازمی تقاضا بھی! خواہ عملاً ہم اسے قبول کریں یا نہ۔ سفرِ حج وعمرہ میں اس کا اہتمام واجب ہے، اس کے بغیر کوئی خاتون حج نہیں کرسکتی، تاآنکہ اسے کوئی محرم رفیق سفر میسر آجائے یا پھر اس کا خرچ بھی برداشت کرے اور اسے اپنے ساتھ لے جائے اور یہ بڑے اجروثواب کا باعث ہوگا۔ احادیثِ مبارکہ میں اس بارے میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِداً إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوْهَا أَوْ أَخُوْهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوْ اِبْنُهَا أَوْ ذُوْمَحْرَمٍ مِنْهَا»[1]

''جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ سفر کرے جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا بھائی یا خاوند یا بیٹا یا کوئی اور محرم رشتہ دار۔''

« لاَ تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلاَثًا إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ »[2]

''کوئی عورت تین دن کا سفر (بھی) اکیلے نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو۔''

« لاَ تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ لَيْسَ مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ»[3]

''کوئی عورت دو دن کا سفر (بھی) خاوند یا کسی محرم کی معیت کے بغیر نہ کرے۔''

« لاَ يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيرَةَ لَيْلَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا رَجُلٌ ذُو حُرْمَةٍ مِنْهَا»[4]

''کسی مسلمان خاتون کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایک رات کا سفر (بھی اکیلے) کرے، مگر اس حال

1 سنن ابی داود: ۱۷۲۸

2 صحیح مسلم: ۳۳۲۲؛ سنن ابی داود: ۱۷۲۹

3 صحیح بخاری: ۱۸۶۴

4 صحیح مسلم: ۳۳۳۰؛ سنن ابی داود: ۱۷۲۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں کہ اس کے ساتھ کوئی محرم مرد ہو۔"

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ يَوْمًا وَلَيْلَةً»[1]

"جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے حلال نہیں کہ ایک دن رات کا سفر (بھی محرم کے بغیر) کرے۔

«لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ بَرِيدًا إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ»[2]

"کوئی عورت ایک برید مسافت کا سفر بھی محرم کے بغیر نہ کرے۔" (اور ایک برید بارہ میل ہاشمی کے برابر ہوتا ہے۔ نہ کہ ہمارا انگریزی میل)

اور صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت میں کسی مدت یا مسافت کا ذکر نہیں ہے۔ اور عمومی لحاظ سے بالفاظِ نہی حکم دیا ہے کہ «لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»[3]

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"

یاد رہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں ترتیبِ نزولی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اُصول فقہ کا معروف قاعدہ ہے کہ امر و نہی کے الفاظ بالعموم وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

محدثین اور فقہا کا موقف

ان نصوص پر ائمہ حدیث و فقہا کے تبصرے بالاختصار کچھ یوں ہیں:

"وقال المنذري: ليس في هذه الروايات تباين، ولا اختلاف، فإنه يحتمل أن يكون النبي ﷺ قالها في مواطن مختلفة بحسب الأسئلة، ويحتمل أن يكون ذلك كله تمثيلاً لأقل الأعداد، واليوم الواحد أوّل العدد، وأقله الاثنان أوّل الكثير، والثلاث أوّل الجمع، وكأنه أشار أن مثل هذا في كل الزمن لا يحل لها السفر فيه مع غير محرم، فكيف بما زاد؟"[4]

"امام منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان روایات میں کسی قسم کا اختلاف یا تعارض نہیں ہے، ممکن

1 سنن ابی داود:١٧٢٦
2 سنن ابی داود:١٧٢٧؛ صحیح ابن خزیمہ:٢٥٢٦
3 صحیح بخاری:١٨٦٢
4 نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، كتاب الحج

ہے کہ آپ ﷺ کے یہ ارشادات مختلف مواقع پر مختلف سوالوں کے جواب میں ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ قلیل ترین عدد بطورِ مثال ارشاد فرمائے ہوں کہ 'ایک' گنتی کا سب سے پہلا اور کم ترین عدد ہے اور 'دو' سے کثرت کی ابتدا ہوتی ہے اور یہ اسکی سب سے کم مقدار ہے۔ اور 'تین' سے جمع کی ابتدا ہوتی ہے تو گویا آپ نے فرمایا کہ جب اس قلیل ترین مدت کیلئے بھی عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں تو اس سے زیادہ کا کیا جواز ہو سکتا ہے!"

"قال البيهقي: هذه الروايات (عن أبي هريرة) كلها متفقة في متن الحديث. لأن من قال: يومًا، أراد به بليلته. ومن قال: ليلة أراد بيومها"[1]

"امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ روایات اپنے متن کے لحاظ سے متفق (اور ایک ہی) ہیں۔ کیونکہ جس راوی نے 'دن' کہا تو اس کے ساتھ 'رات' بھی مراد تھی۔ اور جس نے 'رات' کہا، تو اس کے ساتھ 'دن' بھی مراد تھا۔"

علاوہ ازیں فرماتے ہیں:

"وهذه الروايات في الثلاثة واليومين واليوم صحيحة. وكأن النبي ﷺ سئل عن المرأة تسافر ثلاثا من غير محرم؟ فقال: لا. وسئل عنها: تسافر يومين من غير محرم؟ فقال: لا. ويومًا، فقال: لا. فأدّى كل واحد منهم ما حفظ ما لا يكون عدد من هذه الإعداد حدًّا للسفر"[2]

"یہ روایات جن میں تین، دو یا ایک دن یا رات کا ذکر ہے تو یہ سب صحیح ہیں۔ گویا نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی عورت محرم کے بغیر تین دن کا سفر کر سکتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ پھر پوچھا گیا: دو دن کا؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا گیا: تو کیا ایک دن کا؟ فرمایا: نہیں۔ تو ہر راوی نے جو اسے یاد تھا، بیان کر دیا۔ اور ان گنتیوں میں سفر کی مدت مراد نہیں ہے۔"

امام ابن دقیق العید کا تبصرہ یہ ہے کہ

"إن قوله تعالى: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ عموم شامل للرجال والنساء. وقوله: «لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم» عموم لكل أنواع السفر

1 السنن الكبرى للبيهقي:٥٦١٧
2 السنن الكبرى للبيهقي:٥٦١٨

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فتعارض العمومان، ويجاب بأن أحاديث: «لا تسافر المرأة للحج إلا مع ذي محرم» مخصِّص لعموم الآية. ثم الحديث عام للشابة والعجوز. وقال جماعة من الأئمة: يجوز للعجوز السفر من غير محرم. وكأنهم نظروا إلى المعنى فخصّصوا به العموم. وقيل: لا يخصص بل العجوز كالشابة. وهل تقوم النساء الثقات مقام المحرم للمرأة؟ فأجازه البعض مستدلاً بأفعال الصحابة ولا تنهض حجة على ذلك؛ لأنه ليس بإجماع وقيل: يجوز لها السفر إذا كانت ذات حشم والأدلة لا تدلّ على ذلك.[1]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان "لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے۔" (الآیۃ) اپنے عموم کے لحاظ سے عورتوں مردوں سب کو شامل ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ "عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے" یہ پابندی بھی ہر سفر کے لیے عام ہے۔ تو یہ دو عموم آپس میں متعارض ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثِ مبارکہ، آیتِ کریمہ کے عموم کو خاص کرتی ہے۔ اور یہ پابندی جوان اور بوڑھی عورتوں سب کے لیے ہے۔ تاہم علما کی ایک جماعت بوڑھی عورت کو بغیر محرم کے بغیر بھی سفر کی اجازت دیتے ہیں۔ گویا انھوں نے عمومی حالات کے تحت اس عموم کو جوان عورت کے لیے خاص سمجھا ہے جبکہ ان کے مقابل دوسرے علما کہتے ہیں کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں، بوڑھی اور جوان دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اور یہ سوال کہ آیا قابل اعتماد عورتوں کی جماعت کسی عورت کے لیے محرم کا قائم مقام ہو سکتی ہے؟ تو بعض نے اس کی اجازت دی ہے اور ان کی دلیل صحابہ کا فعل ہے۔ مگر یہ کوئی معتبر دلیل نہیں ہے کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اگر خاتون باوقار اور معزز ہو (اور اسے عمومی تحفظ حاصل ہو) تو وہ اکیلے سفر کر سکتی ہے۔ مگر عمومی دلائل اس کی تائید نہیں کرتے۔"

اس ساری بحث کے باوجود امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"انه يصحّ الحج من المرأة بغير محرم ومن غير المستطيع. إذا تكلفوا شهود المشاهد اجزأهم الحج. ثم منهم من هو محسن في ذلك كالحج يحج ماشيا ومنهم من هو مسيء في ذلك كالذى يحج بالمسألة والمرأة تحج بغير محرم.

1 سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۱/ ۶۰۸

وإنما اجزأهم لأن الأهلية تامة والمعصية إن وقعت فهى في الطريق لا في نفس المقصود"[1]

"اگر کوئی عورت جو (اصطلاحاً) غیر مستطیع ہو اور بغیر محرم کے کسی طرح تکلف کرکے حج کے لیے پہنچ جائے اور اسی طرح دوسرے غیر مستطیع بھی تو ان کا حج ہو جائے گا اور بعض اس عمل میں محسن اور نیکوکار ہوتے ہیں جیسے کہ کوئی پیدل حج کرے اور بعض خطاکار۔ مثلاً کوئی حج کے دوران میں لوگوں سے مانگنا شروع کر دے۔ یا کوئی عورت ہو کر بغیر محرم کے حج کرے۔ حج اُن کا ہو جائے گا کیونکہ انھیں (بنیادی) اہلیت اور استطاعت حاصل ہے۔ رہی معصیت کی بات جو اگرچہ ہے مگر وہ 'رستے کے معاملے میں' ہے، اصل مقصود ادائیگی حج میں نہیں۔"

ائمہ احناف نے بالعموم محرم کی معیت کو واجب ہی قرار دیا ہے۔ تاہم تین دن کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دو دن والی روایات مشکوک اور مرجوح ہیں۔ اور پھر وہ اس مدت میں اسے محرم کے بغیر بھی سفر کی اجازت دے دیتے ہیں۔[2]

ردّ المحتار (حاشیہ ابن عابدین) شرح الدّر المختار میں ہے:

"روى عن أبي حنيفة وأبي يوسف كراهة خروجها وحدها مسيرة يوم واحد وينبغي أن يكون الفتوى عليه لفساد الزمان (شرح اللباب) ويؤيده حديث الصحيحين «لا يحل لإمرأة تؤمن بالله واليوم الأخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة إلا مع ذى محرم عليها»"[3]

"جناب امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ عورت کے لیے ایک دن کی مسافت کے لیے نکلنا بھی مکروہ ہے اور چاہیے کہ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے کیونکہ زمانے کے حالات خراب ہیں۔ (شرح اللباب) اس کی تائید صحیحین کی حدیث سے ہوتی ہے کہ کسی عورت کے لیے حلال نہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ ایک دن رات کی مسافت بھی محرم کے بغیر کرے۔" اس کے بعد 'الفتح' کے حوالے سے کہتے ہیں کہ "اگر کوئی پہلے مذہب کا قائل ہو تو شوہر کو

1 سبل السلام: ۳/ ۴۲۰
2 شرح معانی الآثار
3 حاشیہ ابن عابدین: ۳/ ۵۳۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اسے روکنے کا حق نہیں ہو گا جبکہ مکہ کی جانب مسافت تین دن سے کم ہو۔"

مگر یہ رائے صحیح احادیث کی روشنی میں محل نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول ہی راجح ہے۔

محرم کے بغیر حج کی اجازت دینے والوں کی دلیل

جن حضرات نے سفر حج میں محرم کی معیت کا اعتبار نہیں کیا، انھوں نے مندرجہ ذیل اس حدیث سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ جناب عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

«يُوْشِكُ أَنْ تَخْرُجَ الظَّعِيْنَةُ مِنَ الْحِيَرَةِ تَؤُمُّ الْبَيْتَ لَاجَوَارَ مَعَهَا»[1]

"عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ عورت (اکیلی ہی) حیرہ سے بیت اللہ کا قصد کر کے آئے گی"

مگر اس پر اعتراض ہے کہ اس میں محض آئندہ ہونے والے واقعے کی خبر ہے، نہ کہ اس کے سفر کے جواز کی بات۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ خبر مدح وشادمانی کے اُسلوب میں ہے کہ شوکتِ اسلام اس قدر بڑھ جائے گی کہ کسی عورت کو سفر میں کوئی خطرہ نہ ہو گا، لہٰذا جائز ہے۔[2]

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہی ہے کہ اسے محض خبر ہی سمجھا جائے، نہ کہ جواز کی بات۔ اس طرح ہی اس باب کی احادیث میں جمع وتطبیق ہو سکتی ہے۔[3]

بہر حال ایک مخلص مسلمان کو چاہیے کہ اللہ عزوجل کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سنتِ ثابتہ ہی کو ترجیح دے۔ اور اپنے آپ کو اس کے قریب ترین رکھتے ہوئے متبع بننے کی کوشش کرے۔ رہے علما اور ان کے اقوال وفتاویٰ، تو ان میں سے وہی حجت اور معتبر ہیں جو قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے مطابق ہوں۔ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰﴾

1 تحفۃ الاحوذی ۸/ ۳۵۰، میں یہ الفاظِ حدیث اس طرح ہیں مگر کتبِ حدیث میں قدرے فرق سے منقول ہے۔ ان الفاظ کے قریب تر الفاظ امام طبرانی رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں جو یہ ہیں: «تُوْشِكُ الظَّعِيْنَةُ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْحِيَرَةِ حَتّٰى تَطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِغَيْرِ جَوَارٍ» (الاحادیث الطوال: ۱/ ۱۶)

2 تحفۃ الاحوذی: ۸/ ۳۵۰

3 نیل الاوطار بحوالہ تحفۃ الاحوذی: ۸/ ۳۵۰

حافظ شفیق الرحمٰن زاہد

قسط دوم

جادو کی انواع واقسام اور جنات چمٹنے کے اَسباب

جادو وجنات اور ان کے شرعی معالج وعلاج

جادو کے علاج کے کچھ طریقے گزشتہ شمارے میں بیان کیے جا چکے ہیں اور باقی طریقے ذیل میں رقم کیے جا رہے ہیں:

⑪ زیتون کے تیل کے ذریعے علاج: زیتون (درخت اور پھل) بڑا با برکت ہے، اس کا ذکر قرآن میں کئی مرتبہ[1] آیا ہے۔

استعمال کا طریقہ: تیل پر آیاتِ شفا، آیاتِ سحر، الفاتحہ، آیت الکرسی، چاروں قل پڑھ کر تیل میں دم کر کے، درد والی جگہ پر روزانہ تین دفعہ مساج اور کھانے میں استعمال کریں۔

⑫ قرآنی آیات اور مسنون دعائیں زعفران سے صاف کاغذ پر لکھ کر پانی پینا: شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو پاک چیز پر لکھ کر مریض اس کو شفا کی غرض سے دھو کر پی لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ بھی دم میں ہی شامل ہے، البتہ بالمشافہ دم کروانا زیادہ بہتر ہے۔[2]

جادو کی مختلف اعتبار سے اقسام اور صورتیں

دورِ جدید میں جادو کی کئی ایک صورتیں ہو سکتی ہیں، ذیل میں صرف اجمالاً اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اہل علم نے جادو کی کئی ایک اعتبارات سے اقسام وصورتیں بیان کی ہیں:

جادو کی پہلی تقسیم

① العزیمۃ: جادوگر جنات کو ایسے ناموں کی قسم ڈالتا ہے جو اس کے خیال میں ان فرشتوں کے نام ہیں جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے قبیلوں پر مقرر کیا

1 مثلاً سورۃ النحل: ۱۱، سورۃ المؤمنون: ۲۰، سورۃ عبس: ۲۹ اور سورۃ التین: ۱ وغیرہ

2 مجموع الفتاویٰ از ابن تیمیہ: ۱۹/ ۶۴، ۶۵؛ زاد المعاد از ابن قیم: ۴/ ۱۷۰، ۱۷۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تھا، لہٰذا جب وہ ایک معین نام کی قسم ڈال دیتا ہے تو گویا جن پر وہ کام کرنا لازم کر دیتا ہے جو وہ کروانا چاہ رہا ہوتا ہے۔[1]

② **الطلسم:** طلسمات سے مراد ایسے خاص نام ہیں جن کے متعلق جادوگر سمجھتے ہیں کہ ان کا ستاروں سے تعلق ہے۔ یہ جادو معدنیات پر کیا جاتا ہے اور جادوگروں کے مطابق اس کا خاص اثر ہوتا ہے۔[2]

③ **الأوفاق:** اوفاق سے مراد ایسے اعداد ہیں جنہیں مخصوص شکل میں ہندسوں کی صورت میں لکھا جاتا ہے۔ جادوگر سمجھتے ہیں کہ کاغذ پر یہ لکھنے سے یا گلے میں پہننے سے بچے کی ولادت آسان ہو جاتی ہے، یا کسی کے خلاف مدد ملتی ہے، یا قیدی کی رہائی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔[3]

④ **التنجیم:** اس سے مراد علم نجوم ہے۔ جادوگر فلکیاتی تبدیلیوں کے ذریعے زمینی واقعات کے متعلق راہنمائی دیتا ہے۔[4]

جادو کی دوسری تقسیم

① **سفلی وشیطانی جادو:** وہ جادو جو بذاتِ خود شیطان کی طرف سے کیا جاتا ہے، اسے سفلی جادو کہتے ہیں۔ یہ سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک ترین صورت ہے کیونکہ اس میں شیطان خود دلچسپی سے عمل کر رہے ہوتے ہیں اور وہ عمل کرنے میں کسی کے محتاج نہیں۔

② **جناتی وخبیث روحوں کا جادو:** وہ جادو جو انسان جادوگر شیطانوں اور خبیث جناتی روحوں سے خاص کیفیت میں مدد حاصل کر کے کرتے ہیں۔ یہ پہلی صورت سے کمزور ہوتا ہے کیونکہ بسا اوقات شیطان مدد کرتے ہیں اور کبھی مدد نہیں بھی کرتے۔

③ **اعداد وشمار (ستاروں وسیاروں سے مدد) کا جادو:** وہ جادو جس میں جادوگر حروفِ ہجائیہ، اعداد وشمار اور ستاروں سیاروں کی غیر مرئی (دکھائی نہ دینے والی قوتوں) سے مدد طلب کر کے کرتا ہے۔ یہ سب سے کمزور صورت ہے کیونکہ اس میں اکثر جادوگر اس میدان کے ماہر نہیں

١ الفروق وانوار البروق: ۴/ ۱۴۲
٢ ایضاً
٣ الفروق وأنوار البروق: ۴/ ۱۴۲
۴ لسان العرب: ۱۲/ ۵۷۰

ہوتے ہیں، ٹوٹکے استعمال کرتے ہیں۔[1]

④ **فکری ونظری اور قلبی تشویش کا جادو:** جادوگر اور شعبدہ باز خوش نما قسم کے کرشمے اور کرتب دِکھا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ کرتا ہے۔ اس میں جادوگر دراصل لوگوں کی نظر کو اپنے قابو میں لے لیتا ہے، جس کے ذریعے وہ غیر واقعی اور خیالی چیز کو حقیقت بنا کر پیش کرتا ہے۔

جادو کی تیسری تقسیم: سفید وسیاہ ہونے کے اعتبار سے

سفید جادو: وہ جادو جس کے ذریعے غلط طریقے سے مثبت کام کیے جائیں یعنی کسی کو نفع پہنچایا جائے، میاں بیوی یا دیگر کی آپس میں محبت پیدا کی جائے، کاروبار کی ترقی وغیرہ کے لیے۔

کالا جادو: وہ جادو جس کے ذریعے منفی، غیر شرعی اور غیر اخلاقی کام کیے جائیں مثلاً لڑائی جھگڑا، جانی ومالی نقصان وغیرہ کیا جائے۔[2]

جادو کی چوتھی تقسیم: حقیقی اور خیالی ہونے کے اعتبار سے

① **حقیقی جادو:** وہ جادو جو انسانی جسم کو حقیقت میں متاثر کرتا ہے، مثلاً بیماری پیدا کرنا، قتل کرنا، دو آدمیوں کے درمیان محبت، نفرت اور تفریق ڈالنا۔ یاد رہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے بطور آزمائش ہوتا ہے۔

② **خیالی جادو:** وہ جادو جس کا تعلق صرف خیالات اور تصورات سے ہوتا ہے اور یہ صرف آنکھوں پر ہوتا ہے مثلاً اشیا کو ان کی اصل حقیقت کے علاوہ تصور کرنا، منجمد کو متحرک اور متحرک کو منجمد کرنا، چھوٹی کو بڑی اور بڑی کو چھوٹی وغیرہ۔ کسی جگہ آگ اور کسی جگہ پانی وغیرہ دیکھنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾﴾[3]

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: تم ہی پھینکو، اُنہوں نے جو اپنے آنچھر پھینکے تو

١ السحر فی القرآن الکریم: ص ۷۲، عبد المنعم ہاشمی
٢ افعال الشیطانیۃ: ص ۲۸
٣ سورۃ الاعراف: ۱۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے۔"[1]

جادو کی پانچویں تقسیم: اُسلوب کے اعتبار سے

① شعبدہ بازی: وہ جادو جس کے ذریعے ایک غیر واقعی اور محض خیالی چیز کو افراد کے سامنے واقعی اور حقیقی بنا کر پیش کرنا۔ اصل میں مسحور شخص کی فکر و نظر اور دل ودماغ پر جنات وشیاطین مسلط ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اشیا کی حقیقت کو دیکھ نہیں پاتا۔ ارشاد ہے:

﴿قَالُوا يٰمُوسٰى إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۚ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى ۝﴾[2]

"جادوگر بولے: اے موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا پہلے ہم پھینکیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں! تم ہی پھینکو۔ یکایک اُن کی رسّیاں اور اُن کی لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے موسیٰ علیہ السلام کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔"

قالت عائشة: سُحر رسول الله ﷺ حتى انه ليخيّل إليه أنه فعل الشيء وما فعله[3]

"رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا، اس کا اثر یوں ہوا کہ آپ اپنے خیال کے مطابق ایک کام کر چکے ہوتے تھے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔"

② سحر المؤثرات: وہ جادو جو ستاروں اور سیاروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ نفوسِ انسانی میں وہم جیسی بیماری مسلط کر دی جاتی ہے۔

تیل، کھانے پینے کی اشیا پر خاص قسم کا خاص طریقے سے شیطانی عمل کیا جاتا ہے جو کہ انسان کے لیے بسا اوقات جان لیوا بھی ثابت ہوتا ہے۔

③ خبیث روحوں کے مسلط ہونے کا جادو: وہ جادو جس میں مسحور شخص پر خاص اغراض ومقاصد کے لیے لعین ومردود قسم کے جنات شیاطین مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ جب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے تب تک وہ اس پر مسلط رہتے ہیں۔

1 السحر والشعوذة: ۱۱، ۱۰
2 سورۃ طٰہٰ: ۶۶، ۶۵
3 صحیح بخاری: ۵۷۶۶

جادو کی چھٹی تقسیم: تاثیر کے اعتبار سے

معاشرے میں یہ جادو اس قدر عام ہو چکا ہے کہ ہر تیسرا آدمی اس سے متاثر ہے، کسی نے گلے میں تعویذ لٹکایا یا گھر میں رکھا ہوتا ہے، تو کسی نے اپنے دفتر، دوکان، فیکٹری میں حروفِ مقطعات اور اعداد وغیرہ سے لکھے کاغذات لگائے ہوتے ہیں جس سے عقلی اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جادو نہ صرف موجود ہے بلکہ شدت سے موجود ہے۔ کتنے ہی افراد اس مرض کی وجہ سے انتہائی پریشان ہیں، کچھ جادو کی وجہ سے، تو کچھ عاملین کے غیر شرعی وغیر اخلاقی طریقوں کی وجہ سے، جو اس مرض میں مبتلا ہے وہی جانتا ہے کہ جادو کا مرض کس کو کہتے ہیں۔

جادوگر اور اس کے غیر شرعی معالج کے پاس جانے کے سنگین نقصانات

جادوگر کے پاس جانا دین ودنیا کا نقصان اور سراسر گھاٹے کا سودا ہے، اگر جادو حقیقت میں کوئی فائدہ دیتا تو جادوگر دنیا میں سب سے زیادہ خوشگوار اور پرتعیش زندگی گزارتے۔ ایسے ہی جادو کا علاج کرنے والے غیر شرعی عاملین کے پاس جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، البتہ نقصانات کئی اعتبار سے بہت زیادہ ہیں، جن میں ہر نقصان دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ ان نقصانات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

مذہبی نقصانات

حقیقی مسلمان کے لیے دنیا کا سب سے بڑا قیمتی ورثہ ہدایت اور ایمان ہے جس کے لیے ہر قیمتی شے قربان کی جا سکتی ہے لیکن بیماری سے شفایابی کے لیے ان کی قربانی ہرگز نہیں دی جا سکتی لیکن افسوس ہے کہ غیر شرعی طریقے سے جادو کا علاج کرنے والے عامل اکثر انسان کے ایمان اور عقائد کو خراب کرتے ہیں جس کی ہم سرے سے پرواہ نہیں کرتے۔ ذیل میں چند ایک وجوہات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو کہ دنیا وآخرت کی تباہی کا سبب بنتی ہیں:

① جادوگر کفر کا ارتکاب کرواتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جو کسی کاہن (جادوگر) کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی تو یقیناً اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کیا۔"[1]

1 مسند احمد: ۹۵۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

② جادوگر نمازوں کی قبولیت میں رُکاوٹ بنتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جو آدمی کاہن کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں کی جائے گی۔"[۶]

③ جادوگر اور غیر شرعی عامل معاشرے کو بے دین بناتا ہے۔

④ غیبی اُمور کی خبریں دے کر لوگوں کے ایمان برباد کرتا ہے جن میں اکثر جھوٹ ہوتی ہیں۔

⑤ جادو زدہ لوگوں کو قرآن کی تلاوت سے منع کرتا ہے تاکہ وہ شیطانی طریقے کے ذریعے زیادہ مؤثر انداز میں اپنا علاج کرسکے، یا پھر قرآن پڑھنے کے لیے اپنی اجازت کو شرط قرار دیتا ہے اور بلا اجازت پڑھنے سے منع کرتا ہے اور بظاہر یہ فریب دیتا ہے کہ قرآن کی آیات گرم ہوتی ہیں، اس سے تمہیں زیادہ نقصان ہوسکتا ہے، وغیرہ

⑥ تعویذات کے ذریعے کفر وشرک کی ترویج کرتا ہے۔

⑦ بدعات وخرافات والے وظیفے کرواتا ہے، مثلاً یہ وظیفہ خاص وقت، خاص جگہ اور خاص عدد میں پڑھنا ہے، مثلاً رات کے وقت قبرستان میں، یا نہر کے قریب ۳۱۳ مرتبہ فلاں وظیفہ پڑھنا ہے۔

⑧ مسنون وظائف کا نام دے کر غیر شرعی عملیات کرواتا ہے۔

⑨ شرعی وظائف کے نام پر غیر شعوری چلہ کشی کرواتا ہے، مثلاً فلاں وظیفہ، فلاں وقت اور فلاں جگہ میں چالیس دِن یا اکیس دِن تک پڑھنا ہے۔

⑩ حلال امور واشیا کو ترک کرنے اور حرام کو اپنانے کا مطالبہ کرتا ہے، مثلاً گائے کا گوشت کھانے سے منع کرنا۔ وفات والے گھر جانے سے روکنا۔ میاں بیوی کو وظیفے کی مدت کے دوران تعلقات قائم کرنے سے منع کرتا ہے، بالخصوص اولاد کے حصول کے لیے اور اٹھرا کے مرض میں۔

اخلاقی نقصانات

① جادوگر اور غلط معالج عورتوں سے بے حیائی، بد نظری اور ناجائز تعلقات قائم کرتا ہے۔

② جھوٹ اور مکاری پر مبنی شعبدہ بازیوں کو کرامات بنا کر پیش کرتا ہے۔

۶ صحیح مسلم: ۲۲۳۰

③ علم قیافہ، علم نجوم، علم جفر اور ٹیلی پیتھی کے ذریعے لوگوں کے دماغوں پر قبضہ کرلیتا ہے اور اُنہیں ذہنی طور پر اپنا غلام بنالیتا ہے۔

④ بسا اوقات مریض کو چیک کرنے کے بہانے اس کے گھر جاتا ہے اور خود کسی طریقے سے یا اپنے جن کی مدد سے اُن کے گھر سے قیمتی سامان چوری کروالیتا ہے۔ یہ محض ظن نہیں ہے بلکہ مشاہدے سے ثابت شدہ امر ہے۔

⑤ بعض نام نہاد پیر اپنی مرید عورتوں سے مصافحہ کرنے، بغل گیر ہونے، بوس وکنار اور دیگر قبیح حرکات سے بالکل عار اور شرم محسوس نہیں کرتے اور المیہ یہ ہے کہ بعض جاہل عورتیں ایسے پیر کی اس جیسی گھٹیا حرکات کو اپنے لیے سعادت سمجھ رہی ہوتی ہیں۔

عائلی نقصانات

① جادوگر اور غیر شرعی عامل شادی ہونے میں رُکاوٹیں ڈالتا ہے اور شادی ہوجانے کے بعد اسے ناکام کرنے کے ذرائع پیدا کرتا ہے۔

② میاں بیوی، ساس بہو، والدین، اولاد، بھائیوں، بہنوں، دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان نفرت پیدا کرکے تفریق ڈالتا ہے، رِشتوں اور خاندانوں کے ٹوٹنے کے اسباب پیدا کرتا ہے۔

③ خاندانوں اور گھروں میں لڑائی، نااتفاقی اور بے چینی کی فضا پیدا کرتا ہے۔

④ حاملہ عورتوں کے حمل ضائع کردیتا ہے۔

⑤ جنسی طاقت کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

معاشی نقصانات

① جادوگر اور غیر شرعی عامل کاروبار وغیرہ میں رُکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔

② لوگوں کے مال ناجائز طریقے، جھوٹ، دھوکے اور شعبدہ بازیوں سے ہتھیاتا ہے۔

③ جادو کے ذریعے تجارتی سامان اور زراعت کو تباہ کرتا ہے۔

④ مریض کو جادوئی عمل کے ذریعے اپنا مستقل مرید بنا کر مالی فوائد حاصل کرتا ہے۔

معاشرتی نقصانات

① جادوگر اور غیر شرعی عامل معاشرے میں ہر طرح کا فساد اور گندگی پھیلاتا ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

② جادوگر مریض کو باقاعدہ حکم دیتا ہے کہ اتنے دِن تک بند کمرے میں معاشرے سے کٹ کے رہنا ہے، کسی سے بات چیت اور ملاقات نہیں کرنا، نیز نہانے دھونے سے بھی اجتناب کرنا ہے۔ اس کا مقصد مریض کو صفائی ستھرائی سے دور رکھنا ہوتا ہے تاکہ شیاطین اس کی طرف بآسانی مائل ہو سکیں۔

③ لوگوں میں خوف وہراس پیدا کرتا ہے، مثلاً مریض کو کہنا کہ یہ جادو جان لیوا ہے، یا تم ذرا سا دیر سے آتے تو مر جاتے، یا تم ایسا نہ کرو گے تو ایسا ہو جائے گا، یا مریض کو کسی اور سے دم کروانے سے ڈراتا ہے۔

④ انسانوں اور جانوروں کو طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کرتا ہے۔ جس کے سبب معاشرے میں بدعتیں اور خرافات پیدا ہوتی ہیں۔

⑤ شعبدہ بازیوں کے ذریعے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے، مثلاً مریض کے گھر سے سوئیاں، انڈے اور پتلے وغیرہ نکالنا، کسی کو متاثر کرنے کے لیے اس کا نام اور شہر بتا دینا، یا اسے یہ بتلاتا ہے کہ اس نے کیا کھایا ہے۔

⑥ مریض کو چمٹے ہوئے چھوٹے جنات نکال کر وقتی افاقہ دے کر بڑے جنات اس پر مسلط کر کے مستقل طور پر مال بٹورنے کے لیے اپنا محتاج بنا لیتا ہے۔

آسیب زدگی اور جنات کے چمٹنے کے اسباب

جنات کے چمٹنے کے درج ذیل اسباب ہوتے ہیں:

① دشمنی کے سبب، یعنی انسان اور شیطان کی ازلی وابدی دشمنی کی وجہ سے شیاطین اور جنات؛ انسانوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

② انتقام کے سبب: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان لاشعوری اور غیر ارادی طور پر جنات کو تکلیف دے بیٹھتا ہے۔ اس کی درج ذیل صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ کسی جگہ دعا پڑھے بغیر پیشاب کر دینا۔

۲۔ مخصوص مقامات کے علاوہ دوسری جگہوں پر کوڑا کرکٹ پھینکنا۔

۳۔ عرصہ دراز سے خالی مکانات میں تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور دعا وغیرہ کے اہتمام کے بغیر اچانک رہائش اختیار کر لینا۔

③ خواہشات کی پیروی کی وجہ سے: جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو دِل ایمان اور خیر کے جذبے سے خالی ہو اس میں شیطان اپنا گھر بنا لیتے ہیں اور اسے طرح طرح کے

وسوسوں اور خیالات کے ذریعے پریشان کرتے ہیں۔[1]

④ ظلم کی وجہ سے: کیونکہ شیاطین بلا کسی وجہ وسبب بھی انسانوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

⑤ عشق کے سبب، جنات کسی کے حسن وجمال کی وجہ سے اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنات کا انسان کو چمٹنا کبھی شہوات اور خواہشات کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی عشق کی وجہ سے۔[2]

⑥ چِلہ کشی کے سبب: شیخ اُسامہ العوضی فرماتے ہیں کہ یہ قسم سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعے جنات کو اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بہت سے غیر شرعی کاموں کے ارتکاب سے گریز نہیں کرتا اور اگر اس میں ناکام ہو جائے تو اپنی جان تک گنوا بیٹھتا ہے۔[3]

⑦ جادوگروں سے دوستی لگانے کے سبب: اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض احباب ایسے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں جو غیر شرعی کام کرتے ہوتے ہیں، تو اُن کے ذریعے اِن پر جنات مسلط ہو جاتے ہیں۔

⑧ جادوئی لٹریچر اور جادوئی وظائف پڑھنے کی وجہ سے۔

⑨ جناتی اور مرگی زدہ افراد کا علاج ومعالجہ کرنے کی وجہ سے۔

⑩ گھروں میں اگربتیاں جلانے یا خاص دِنوں میں چراغاں کرنے کی وجہ سے۔

⑪ خاص وظیفہ، خاص وقت اور خاص جگہ پر پڑھنے کی وجہ سے۔

⑫ غیر شرعی تعویذات پہننے کی وجہ سے: سادہ لوح عوام علاج کی غرض سے تعویذ پہن لیتے ہیں جبکہ ظالم معالج در حقیقت چھوٹے جنات نکالنے کی بجائے بڑے جنات ان پر مسلط کر دیتے ہیں تاکہ وہ مستقل طور پر ان کے محتاج ہو جائیں۔

⑬ غیر شرعی عاملین سے رابطے کی وجہ سے: ایسے عاملین اپنے ساتھ وابستہ لوگوں پر ایک دو جنات کی ڈیوٹی لگا دیتے ہیں جو انہیں مستقل طور پر عامل کی طرف مائل رکھتے ہیں۔

⑭ خلوت پسندی اور اندھیرے کی وجہ سے: بسا اوقات آدمی زیادہ وقت خلوت میں گزارنے

---

۱ الوابل الصیب: ص ۴۳

۲ مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۱۹/۳۹

۳ المنہج القرآنی فی علاج المس والسحر: ص ۸۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لگتا ہے اور اندھیرے میں رہنا پسند کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا دِل عجیب وغریب خیالات، وسوسوں اور باطل خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے اور شیاطین اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے دِل کو اپنی آماجگاہ بنالیتے ہیں، بالخصوص جب نوجوان اکیلے اپنے بیڈ رُوم وغیرہ میں انٹرنیٹ میں مشغول ہوں۔

⑮ دِل جاری کرنے کی وجہ سے: اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے دِل کو نیکی کی طرف مائل کرنے کی غرض سے جاہل لوگوں کے بتلائے ہوئے وظیفے کو خاص کیفیت، خاص انداز اور خاص عدد میں پڑھتے رہتے ہیں جس سے دِل تو جاری نہیں ہوتا، البتہ شیطان ضرور طاری ہو جاتا ہے۔

⑯ اسمائے حسنیٰ کو کسی مذموم مقصد کے لیے غلط انداز میں پڑھنا: لوگ اسمائے حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم مبارک کو خاص جگہ، خاص کیفیت اور خاص عدد میں پڑھتے ہیں، اس صورت میں اُنہیں اپنا مقصد تو حاصل نہیں ہوتا البتہ غیر شعوری طور پر چِلہ کشی والا عمل ہو جاتا ہے اور ایک جن اس پر مسلط ہو جاتا ہے، مثلاً یَا وَدُوْدُ یا یَا جَبَّارُ وغیرہ پڑھنا۔ اس طرح کے نام جنات کے بھی ہوتے ہیں، اس لیے وہ حاضر ہو جاتے ہیں اور پھر انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

⑰ عقیدۂ توحید کی کمزوری اور اللہ تعالیٰ پر ایمان وتوکل نہ ہونے کی وجہ سے۔

⑱ ذکر الٰہی سے دِل اور زبان کے خالی ہونے کی وجہ سے۔

⑲ کسی جگہ گرم پانی پھینکنے یا جنات کو قتل کروانے، جلانے یا تکلیف پہنچانے کی وجہ سے۔

⑳ شیطانوں کا حملہ صرف اسی شخص پر ہوتا ہے جو اپنے ایمان وعقیدہ کی کمزوری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے۔

㉑ عورت کا زیب وزینت کے ساتھ بے پردہ ہو کر بازاروں میں یا غیر محرم لوگوں کے سامنے آنے کی وجہ سے۔

㉒ گرمی کے موسم میں مرد یا عورت کا رات کو باریک ترین لباس پہن کر اذکار وغیرہ پڑھے بغیر سونا بھی جنات کے حملے کا سبب بن جاتا ہے۔

㉓ بیت الخلا میں پیشاب یا غسل کرنے کے لیے دعا پڑھے بغیر جانے کی وجہ سے۔

㉔ بیوی سے دعا پڑھے بغیر مباشرت کرنے کی وجہ سے۔ ۱۰

㉕ شدید غفلت، غصے اور خوف کی وجہ سے۔ (جاری ہے)

ایمان وعقائد

تحریر: ڈاکٹر علی بن نفیع علیانی
مترجم: محمد اسمٰعیل بشیر انصاری

قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں سے بنے تعویذ اور اُن کا حکم

قرآنی آیات اور مسنون الفاظ سے دم کرنا جائز ہے اور دم میں پھونک مارنا بھی درست، جیسا کہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے۔ تاہم تعویذ کو لٹکانا، پہننا فرامین نبویہ کی صراحت اور غیر مسنون ہونے کی بنا پر درست نہیں۔ غیر قرآنی تعویذ کی حرمت کے بارے میں تو واضح احادیث ہیں، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ ''جس نے تعویذ (تمیمہ) لٹکایا، اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے۔'' اور ''تعویذ لٹکانے والا شرکیہ عمل کا ارتکاب کرتا ہے۔'' (۴/۱۵۴) وغیرہ۔ البتہ قرآنی تعویذ کے بارے میں علما میں اختلاف ہے۔ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی ﷾ فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ میں لکھتے ہیں ''قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں پر مشتمل تعویذ لکھنا جائز تو ہے، لیکن راجح اور محقق بات یہی ہے کہ تعویذوں سے مطلقاً پرہیز کیا جائے۔'' مزید یہ کہ ''بہتر ہے کہ تعویذ کی جملہ اقسام سے احتراز کیا جائے۔'' (ص ۵۷۸، ۵۸۰)

ذیل میں قرآنی تعویذوں کی حرمت کے حوالے سے ایک اہم عربی تحریر کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔ ح م

قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں سے مرتب تعویذ کے بارے میں علما کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ ممنوع تعویذ میں سے نہیں، بلکہ ایسے تعویذ لٹکانا (پہننا) جائز ہے، ان علما میں سعید بن مسیب، عطاء، ابو جعفر باقر اور امام مالک ﷭ ہیں، نیز امام احمد کی ایک روایت اور ابن عبد البر، بیہقی اور قرطبی کا یہی قول ہے، امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حجر ﷭ کا ظاہری قول یہی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اکثر صحابہ کرام ﷡ اور ان کے بعد کے اہل علم کا خیال ہے کہ قرآن کریم اور ماثور دعاؤں کے تعویذ بھی لٹکانا (پہننا) جائز نہیں، ان علماء میں حضرات ابن مسعود، ابن عباس، حذیفہ، عقبہ بن عامر اور ابن حکیم ﷡ ہیں، نیز ابراہیم نخعی، امام احمد کی ایک روایت، ابن العربی، شیخ عبد الرحمٰن بن حسن آل شیخ، شیخ سلیمان بن عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب، شیخ عبد الرحمٰن بن سعدی، حافظ حکمی اور حامد الفقی ﷭ ہیں، نیز دورِ حاضر کے علما میں سے شیخ البانی اور شیخ عبد العزیز ابن باز ﷭ ہیں۔[1]

[1] ان علما کے اقوال وفتاوے مندرجہ ذیل کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطب: ۷/۳۷۴ومابعد،

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قرآن وحدیث کے تعویذوں کو جائز کہنے والوں کی دلیلوں کا خلاصہ یہ ہے:

① پہلی دلیل، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:۸۲)

''ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔''

② دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے:

"إن التّميمة ما علّق قبل البلاء، لا بعده"[1]

''ممنوع تعویذ وہ ہے جو بلا نازل ہونے کے پہلے لٹکایا جائے، نہ کہ بلاء نازل ہونے کے بعد۔''

③ تیسری دلیل حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا یہ عمل ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کے گلے میں دعائے فزع لٹکا دیتے تھے اور وہ یہ ہے:

بِسْمِ اللهِ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَنْ يَحْضُرُوْنِ[2]

''بسم اللہ، میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کے کلام تام کی اس کے غضب اور عقاب سے، اور اس کے بندوں کے شر سے، اور شیطانوں کے وسوسوں سے، اور ان کے میرے پاس آنے سے۔''

یہ ہیں قرآن وحدیث کے تعویذوں کو جائز کہنے والوں کی دلیلیں۔

رہے دوسرے قول کے قائلین جو قرآن اور حدیث کی دعاؤں کے تعویذ بھی لٹکانے سے منع کرتے ہیں۔ اُنھیں فریق اول کے ان دلائل میں کوئی حجت نظر نہیں آتی، کیونکہ

① آیت مجمل ہے (یعنی اس میں طریقہ شفا وعلاج نہیں بتایا گیا ہے) بلکہ قرآن سے علاج کرنے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اور وہ ہے: اس کی تلاوت کرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا، نیز رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے تعویذ لٹکانے کے بارے میں کچھ بھی وارد نہیں، بلکہ صحابہ

سنن بیہقی :۹/۵۱۶ومابعد ، مستدرک حاکم :۴/۲۱۶ومابعد، تیسیر العزیز الحمید ص ۱۷۴، ۱۶۸؛ سلسلہ احادیثِ صحیحہ ۱/۵۸۵؛ القول السدید: ص ۳۸؛ معارج القبول: ۱/۳۸۲؛ فتاویٰ شیخ ابن باز: ۸۲۰

1 سنن بیہقی: ۹/۳۵۱؛ مستدرک حاکم: ۴/۲۱۷

2 مسند احمد: ۲/۱۸۱؛ مستدرک حاکم: ۱/۵۴۸؛ جامع ترمذی: ۳۵۲۸؛ اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ سنن ابی داؤد: ۳۸۹۳

کرام سے بھی اس سلسلہ میں کچھ وارد نہیں ہے۔

② نیز حضرت عائشہؓ کا قول بھی مجمل ہے، اس میں قرآن کے تعویذ کی صراحت نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا ذکر ہے کہ ''ممنوع تعویذ وہ ہے جو بلا نازل ہونے سے پہلے لٹکایا جائے، نہ کہ بلا نازل ہونے کے بعد'' چونکہ ان کا قول بھی محتمل یعنی غیر صریح ہے، لہٰذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ صرف اس روایت کی بنا پر ان کی طرف قرآن کے تعویذ کا جواز منسوب کر دیا جائے۔

③ رہا عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ان کا عمل! تو وہ محمد بن اسحٰق کے عنعنہ اور ان کے مدلس ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔[1]

شیخ محمد حامد الفقی سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ روایت اس سند سے ضعیف ہے، نیز اس مفہوم پر دلالت بھی نہیں کرتی، اس لیے کہ اس روایت میں ہے کہ ''عبد اللہ بن عمرو اپنے بڑے بچوں کو یہ دعا یاد کراتے تھے اور چھوٹے بچوں کے لیے تختی پر لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تختی ان کے گلے میں دعا یاد کرنے کے لیے لٹکاتے تھے، نہ کہ تعویذ کی حیثیت سے۔ کیونکہ تعویذ کاغذ پر لکھا جاتا ہے نہ کہ تختی پر، نیز بڑے بچوں کو یاد کرانا بھی اسی کی دلیل ہے۔''[2]

اگر حقیقتِ امر یہی ہے تو فریق اول کا قول کسی قوی حجت پر مبنی نہیں۔

رہے فریق ثانی، یعنی قرآن وحدیث کے تعویذوں کو بھی منع کرنے والے، تو ان کی طرف سے مندرجہ ذیل دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں:

① پہلی دلیل یہ ہے کہ تعویذوں کے بارے میں وارد شدہ ممانعت کا حکم عام ہے، جیسا کہ حرمت کے بہت سے دلائل ہیں، اور شریعت میں اس عموم کی کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی، لہٰذا یہ حکم اپنے عموم پر باقی ہے۔

② دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ عمل مشروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ نے اسے بیان فرمایا ہوتا، جیسا کہ رُقیہ یعنی دعا پڑھ کر پھونکنے کا حکم بیان فرمایا اور شرکیہ کلام نہ ہونے کی صورت میں اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ فرمایا:

1 سلسلہ احادیث صحیحہ: ۱/۵۸۵؛ النہج السدید: ص ۶۱ ؛ صحیح ابوداؤد: ۲/۷۳۷

2 حاشیہ فتح المجید: ص ۱۳۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

«اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ »[1]

''تم لوگ مجھے اپنے جھاڑ پھونک کے کلمات سناؤ، اگر اس میں شرک نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔''

لیکن اس طرح کی بات نبی ﷺ نے تعویذوں کے بارے میں نہیں کہی (لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی بھی طرح کا تعویذ جائز نہیں)

شرکیہ جھاڑ پھونک سے بچنے کے لیے اہل علم نے چند شرطیں لگائی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک جائز ہے، پہلی یہ کہ جو کچھ پڑھا جائے، وہ اللہ کا کلام یا اس کے نام وصفات ہوں، دوسری یہ کہ عربی زبان میں ہو، تیسری یہ کہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ بذاتِ خود فائدہ نہیں دے سکتے جب تک اللہ کا حکم نہیں ہو گا۔ (فتح الباری: ۱۰/ ۱۹۵)

③ تیسری دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ فتوے ہیں جو تعویذ کی ممانعت کے سلسلے میں گزر چکے ہیں اور جن کی طرف اس کے برعکس قول منسوب ہے وہ (روایت اور درایت دونوں اعتبار سے) صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو دوسروں کی بنسبت زیادہ جانتے تھے، اسی طرح اکثر تابعین عظام بھی، چنانچہ ابراہیم نخعی نے عام لفظوں میں ارشاد فرمایا:

''وہ (یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام) ہر طرح کے تعویذ مکروہ جانتے تھے، خواہ قرآن سے ہوں یا غیر قرآن سے۔''[2]

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن فرماتے ہیں:

''ابراہیم نخعی کی مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ہیں، مثلاً: علقمہ، اسود، ابووائل، حارث بن سوید، عبیدہ سلمانی، مسروق، ربیع بن خیثم اور سوید بن غفلہ وغیرہم، یہ بزرگان سادات تابعین میں سے ہیں، اور ابراہیم نخعی ان بزرگوں کے اقوال بیان کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرتے، جیسا کہ حافظ عراقی نے اس کی وضاحت کی ہے۔''[3]

④ چوتھی دلیل یہ ہے کہ فساد کا سدِباب شرعی طور پر واجب ہے، تاکہ شرکیہ تعویذ قرآنی تعویذوں

1 مسلم مع نووی، کتاب السلام، باب لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک: ۱۴/ ۱۸۷
2 مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/ ۳۷۴
3 فتح المجید: ص ۱۳۸

کے ساتھ اس درجہ خلط ملط نہ ہو جائیں کہ شبہ کی وجہ سے شرکیہ تعویذوں سے بھی روکنا مشکل ہو جائے، شیخ احمد بن علی حکمی فرماتے ہیں:

''بلاشبہ ان قرآنی تعویذوں کی ممانعت ہی غلط اعتقاد کو روکنے کے لیے زیادہ مؤثر ہے، خاص کر دورِ حاضر میں، کیونکہ صحابہ اور تابعین نے جب اپنے صاف ستھرے اور مقدس زمانے میں اسے مکروہ سمجھا جبکہ ایمان اُن کے دلوں میں پہاڑ کی مانند قائم تھا، تو اس پر فتن زمانہ میں ان تعویذوں کو مکروہ قرار دینا زیادہ بہتر اور واجب ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ تعویذ کا کاروبار کرنے والے اس رخصت کے چور دروازے سے محرمات تک پہنچ چکے ہیں اور قرآنی تعویذوں کو ان محرمات کا بہانہ اور ذریعہ بنا رکھا ہے، چنانچہ وہ تعویذوں کے اندر ایک آیت یا چھوٹی سی سورت یا صرف 'بسم اللہ' وغیرہ لکھ دیتے ہیں، پھر اس کے نیچے شیطانی طلسمات بناتے ہیں جسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اُن کی کتابوں سے واقف ہیں۔ نیز اس کے ذریعہ وہ لوگوں کے دلوں کو توکل علیٰ اللہ سے پھیر کر ان لکھے ہوئے طلسمات سے جوڑ دیتے ہیں، بلکہ اکثر تعویذ والے عوام الناس کو ہراساں کر دیتے ہیں، حالانکہ انھیں کوئی بیماری نہیں ہوتی۔

مثلاً: وہ شخص جو تعویذوں کا کاروبار کرتا ہے، اگر اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص اس کا مرید ہے تو وہ اس شخص کا مال کھانے کے لیے حیلے تلاش کرتے ہوئے اس سے کہتا ہے کہ دیکھو تمہارے اہل وعیال یا مال یا خود تمہارے اوپر مصیبت آنے والی ہے، یا یہ کہتا ہے کہ تم پر جنوں کا سایہ ہے، اور اس کے سامنے شیطانی وسوسہ سے متعلق کچھ باتیں بیان کر کے اس کو یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس کے مسئلے کو پوری طرح سمجھ چکا ہے، اسے اس سے بہت زیادہ ہمدردی ہے اور وہ اس کا خیر خواہ ہے۔ جب اس سادہ لوح شخص کے دل میں خوف و ہراس پوری طرح بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے منہ موڑ کر دل وجان سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پناہ میں آجاتا ہے، اور اس پر اعتماد و بھروسہ کرنے لگتا ہے، اور اس مکار سے پوچھ بیٹھتا ہے کہ اس مصیبت سے نجات کا راستہ کیا ہے؟ گویا نفع اور نقصان کا وہی مالک ہے۔ اب اس لٹیرے کی اُمیدیں پوری ہوتی نظر آتی ہیں، اور اس کی لالچ بھری نگاہ اس مال پر پڑتی ہے جو وہ آدمی خرچ کر سکتا ہے، اس لیے وہ کہتا ہے کہ اگر تم مجھے اتنا مال دے دو تو میں تمہارے لیے اتنا لمبا چوڑا تعویذ لکھ کر دیتا ہوں، پھر وہ اس تعویذ کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

خصوصیات بتاتا ہے اور ان امراض کی نشاندہی کرتا ہے جن کے لیے وہ تعویذ مفید ہے۔

کیا آپ ان حرکتوں کو اس اعتقاد کے باوجود شرکِ اصغر شمار کریں گے؟ نہیں، بلکہ یہ غیر اللہ کی تعظیم ہے، غیر اللہ پر بھروسہ کرنا اور غیر اللہ کی پناہ لیتا ہے، بیوقوفوں اور نااہلوں کے فعل کا سہارا لیتا ہے، اور دین سے خارج ہو جانے کا باعث ہے۔ شیطان اس قسم کے حیلوں پر شیطان نما انسان کی مدد کے بغیر قابو پا سکتا ہے؟

﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾[1]

"اے محمد (ﷺ) ان سے کہو: کون ہے جو رات یا دن کو تمھیں رحمن سے بچا سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب سے منہ موڑ رہے ہیں۔"

پھر وہ اس میں اپنے شیطانی طلسمات کے ساتھ کچھ قرآنی آیتیں بھی لکھتا ہے، اور پہننے والا ناپاکی کی حالت میں بھی اسے پہنے رہتا ہے، چھوٹی بڑی ہر طرح کی نجاست ہوتی رہتی ہے اور قرآن اس کے ساتھ ہوتا ہے، کسی بھی چیز سے اسے محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اللہ کی قسم! کسی دشمن اسلام نے کتاب اللہ کی ایسی بے حرمتی نہیں کی ہوگی جس طرح اسلام کے دعوے دار ملحد کر رہے ہیں۔

اللہ کی قسم! قرآن نازل ہوا تلاوت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے، اس کے احکام کو بجا لانے اور اس کے منہیات سے اجتناب کرنے کے لیے، اس کی باتوں کی تصدیق کرنے اور اس کے حدود میں رہنے کے لیے، اس کی مثالوں سے عبرت پکڑنے اور اس کے قصوں سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے اور اس پر ایمان لانے کے لیے، کیونکہ پورا قرآن ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، لیکن ان تعویذ والوں نے ان سارے مقاصد کو بے معنی کر دیا اور قرآن شریف کو پس پشت ڈال دیا۔ صرف قرآن کی شکل کو محفوظ رکھا ہے تاکہ اسے کھانے کا ذریعہ اور کمانے کا وسیلہ بنائے رکھیں، ایسے وسائل کی مانند جن سے حرام تک تو رسائی ہو سکتی ہے، حلال تک نہیں۔

اگر کوئی بادشاہ یا امیر اپنے ماتحت کو یہ پیغام بھیجے کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو، اپنے ماتحتوں کو فلاں کام

---

1 سورۃ الانبیاء: ۴۲

کرنے کا حکم دو اور فلاں کام سے روکو، وہ اس پیغام کو وصول کر کے نہ اسے پڑھے، نہ اس کے اوامر ونواہی میں غور وفکر کرے، اور نہ ہی اپنے ماتحتوں تک یہ پیغام پہنچائے جن تک پہنچانے کا اس میں حکم ہے، بلکہ اس پیغام کو وصول کر کے اپنی گردن میں لٹکا لے، یا بازو میں باندھ لے اور اس میں موجود فرمان کو خاطر میں نہ لائے، تو کیا بادشاہ یا حاکم اس حرکت پر اسے سزا نہیں دے گا؟ اس کی گرفت نہیں کرے گا؟ جب ایک بادشاہ کی حکم عدولی کا یہ خمیازہ ہو سکتا ہے تو آسمانوں اور زمین کے اس جبار وقہار کے نازل کردہ پیغام عظیم کے ساتھ اس ناروا سلوک کا کیا نتیجہ ہوگا جس کی آسمانوں اور زمین میں اعلیٰ مثال ہے، جس کے لیے دنیا و آخرت میں ساری تعریفیں ہیں، اور جس کی طرف سارے معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔ لہٰذا صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو، وہ ہمارے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کا حق دار نہیں، اسی پر ہم نے بھروسہ کیا، اور وہی عرش کا مالک ہے۔"[1]

⑤ پانچویں دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف کا تعویذ لٹکانا قرآنِ شریف کی بے حرمتی کا باعث ہے، مثلاً: بیت الخلا وغیرہ میں اس تعویذ کے ساتھ داخل ہونے میں قرآن کی توہین ہے۔

⑥ چھٹی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کا قرآن اُٹھائے پھرنا جو نہ اس کا معنی سمجھتے ہیں نہ ہی اس کی عزت کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عام ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ﴾ کے تحت آجاتے ہیں (جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مثال ان گدھوں کی ہے جو شریعت کی کتاب اٹھائے ہوئے ہیں، نہ اسے سمجھتے ہیں، نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں) کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ اس قرآنی تعویذ میں کیا ہے، نہ ہی اس کی عزت وتوقیر کرنا جانتے ہیں، چنانچہ بسا اوقات اس قرآنی تعویذ پر نجاست بھی پڑ جاتی ہے، خاص کر اس وقت جب پہننے والا پاگل یا چھوٹا بچہ ہوتا ہے۔

⑦ تعویذ پہننے کا فتویٰ یقینی طور پر سور معوذات[2] وغیرہ کے ذریعہ دعا کی سنت ترک کرا سکتا ہے، چنانچہ

---

1 معارج القبول شرح سلم الوصول از حافظ احمد حکمی: ۱/ ۳۸۲

2 سور معوذات سے مراد سورۃ قل هو الله أحد، قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس ہیں، یہ تینوں سورتیں تعوذ کے لیے بے حد مفید ہیں، لیکن اُنھیں لکھ کر لٹکانے سے نہیں، بلکہ اس کے پڑھنے سے ہر طرح کے رنج وغم اور آفت وبلا میں راحت ملتی ہے۔ چنانچہ نسائی شریف میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھر گئے، اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی، ہم نماز کے لیے نبی ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، آپ تشریف لائے اور نماز پڑھائی، نماز کے بعد آپ نے فرمایا: کہو، میں نے کہا: کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا: "قل هو الله أحد، قل أعوذ برب الفلق، قل أعوذ برب الناس صبح وشام تین تین مرتبہ کہو، تمھیں ہر چیز سے کفایت کرے گی۔" (سنن نسائی: ۸/ ۲۵۰ کتاب الاستعاذۃ)

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جو شخص پورا پورا قرآن ہی لٹکالے گا، وہ گمان کر سکتا ہے کہ اب سور معوذات اور آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، جب پورا قرآن اپنے گلے میں لٹکا ہوا ہے۔

⑧ قرآن کا تعویذ لٹکانے کا فتویٰ جائز و ناجائز دونوں پہلو رکھتا ہے، اور جو فتویٰ یا معاملہ ایسا ہو فساد سے تحفظ کی غرض سے اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ (واللہ اعلم)

(دارالاندلس کی شائع کردہ 'تعویذ اور عقیدہ توحید' نامی کتابچہ کا ایک باب: ص۹۷ تا ۱۱۴)

عقبہ بن عامر ؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام جحفہ اور ابواء کے درمیان چل رہا تھا کہ بہت تیز آندھی چلنے لگی، اور رات بے حد اندھیری تھی تو رسول ﷺ قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس پڑھنے لگے، اور فرمایا: عقبہ! ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو، ان سا تعوذ کسی نے نہیں پڑھا۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۳)

حضرت عائشہؓ سے بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ہر رات جب بستر پر آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں پر قل هو الله أحد، قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس پڑھ کر پھونکتے، پھر اپنے جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیرتے تھے، اسطرح تین مرتبہ کرتے۔ (صحیح بخاری: ۱۱/ ۱۰۷؛ صحیح مسلم: ۲۱۹۲)

حضرت عقبہ بن عامر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر نماز کے بعد معوذات کی سورتیں پڑھا کرو۔" (سنن نسائی: ۳/ ۶۸؛ جامع ترمذی: ۸/ ۲۱۵؛ سنن ابوداؤد: ۲/ ۱۲۱، حدیث نمبر ۱۵۲۳)

اس کے علاوہ بہت ساری حدیثیں سور معوذات کے دعا کے لیے مفید ہونے کے بارے میں میں وارد ہیں۔

۱ آیت الکرسی: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۵ کو آیت الکرسی کہا جاتا ہے۔ سب سے عظیم الشان آیت یہی آیت الکرسی ہے۔ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے یہ آیت اکسیر ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ وہ صدقہ کے مال کی حفاظت پر مامور تھے کہ ایک دن چور چوری کرنے کے لیے تین رات مسلسل آیا اور ہر رات پکڑا گیا، تیسری رات اسے حضرت ابوہریرہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جانے کی دھمکی دی تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمھیں چند کلمات بتا دیتا ہوں جن سے اللہ تمھیں فائدہ دے گا، چنانچہ اس نے پوری آیت الکرسی پڑھ کر بتائی، اور کہا کہ یہ آیت سوتے وقت پڑھ لیا کرو تو تمہاری نگرانی کے لیے ایک محافظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو جائے گا، اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آسکتا۔ صبح ہوئی تو حضرت ابوہریرہ ؓ نے یہ ماجرا رسول اللہ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے یہ سچ کہا، لیکن ہے وہ بڑا جھوٹا، وہ شیطان ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۳۱۱)

تعوذ کے لیے اس کے علاوہ اور بہت سی آیتوں اور سورتوں کے پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں موجود ہے، جن میں سے سورہ فاتحہ ہر مصیبت وبلا سے رہائی اور فلاح و کامرانی کا سرچشمہ ہے، جیسا کہ امام بیہقی نے 'شعب الایمان' میں اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الفاتحة شفا من كل سقم» یعنی سورہ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ (فتح القدیر از امام شوکانی: ۱/ ۱۶)

چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں مشہور واقعہ حضرت ابوسعید خدری ؓ کا ہے کہ انھوں نے ایک گاؤں کے ایک رئیس کو جسے سانپ نے ڈس لیا تھا سورۂ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا اور وہ شفایاب ہو گیا، نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کو صحیح قرار دیا، اور اس کی اُجرت سے خود بھی کھایا۔ (صحیح بخاری: ۶/ ۲۳۷؛ صحیح مسلم: ۲۲۰۱)

تعوذ کا یہی مسنون طریقہ ہے، اگر تعویذ لٹکانے کو جائز کر دیا جائے تو یہ مسنون طریقہ تعوذ بالکل چھوٹ جائے گا اور مسلمان قرآن سے بالکل بے تعلق و بے نیاز ہو جائیں گے۔ (مترجم)

حدیث و محدثین

مولانا ابن بشیر حسینوی[1]

امام طبرانی ؒ اور اُن کی کتبِ حدیث کا منہج

مجلہ 'محدث' میں ایسے محدثین کے تعارف اور خدمات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جنہوں نے علم حدیث میں غیر معمولی اور کثیر الجہت خدمات انجام دی ہیں۔ صحاح ستہ کے مؤلفین کے علاوہ ایسے محدثین جنہوں نے ایک سے زیادہ کتبِ حدیث تالیف کی ہیں، ان کتب کا اُسلوب اور خصوصیات کیا ہیں؟ اور ان سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے؟... ان مضامین میں یہ تفصیلات پیش کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ   ادارہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں سے اپنے دین حنیف کی خدمت کا کام لیا اور بعض کو اپنے دین کے لئے خاص کر لیا جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا قرآن و حدیث کو عام کرنا تھا۔ اُنھی چنیدہ افراد میں سے ایک ہمارے ممدوح امام طبرانی ؒ بھی ہیں۔ ان کے حالات اور ان کی کتب حدیث کا تعارف واُسلوب (منہج) پیش خدمت ہے۔ امام طبرانی ؒ کے حالات کے لیے تاریخ اصبہان، جزء فیہ ذکر الامام الطبرانی، سیر اعلام النبلاء، تذکرۃ الحفاظ اور المعجم الصغیر وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مکمل نام: ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر   تاریخ پیدائش: صفر ۲۶۰ھ[2]

جائے پیدائش: آپ شام کے قصبہ عکاء میں پیدا ہوئے۔ امام طبرانی ؒ خود لکھتے ہیں:

حدثنا أحمد بن عبد الله اللحياني العكاوي، بمدينة عكاء سنة خمس وسبعين و مئتين (حدیث نمبر: ۸۳۹)

اس سے ثابت ہوا کہ امام طبرانی پندرہ سال کی عمر میں سماعِ حدیث کر چکے تھے کیونکہ امام صاحب کی تاریخ ولادت ۲۶۰ ھ ہے۔ ۲۷۵ھ میں آپ کی عمر ۱۵ سال ہوئی، آپ کی کل عمر ۱۰۰ سال تھی۔ نیز اس سے حافظ ذہبی کی بات کی تائید بھی ہوتی ہے کہ آپ عکاء میں پیدا

[1] مدیر جامعہ امام احمد بن حنبل اہل حدیث، قصور

[2] تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۲۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہوئے اور عموماً ۱۵ سال تک انسان اپنے شہر کے شیوخ سے ہی علم حاصل کرتا ہے۔

یہ بھی ثابت ہوا کہ عکاء بستی نہیں بلکہ شہر ہے۔ عکاء سے طبریہ کی مسافت دو دن میں طے ہوتی تھی، یہ اُردن کے قریب واقع ہے۔ عمر کا اکثر حصہ آپ یہاں ہی رہے لیکن آخر عمر میں آپ نے اصفہان میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یاد رہے کہ امام طبرانی 'طبریہ' کی طرف منسوب ہیں، طبرستان کی طرف نہیں جبکہ مشہور مؤرخ ابن جریر طبری طبرستان سے نسبت رکھتے ہیں۔[1]

اولاد: ایک بیٹا تھا جس کا نام محمد تھا جس کی کنیت ابوذر تھی اور ایک بیٹی جس کا نام فاطمہ تھا۔[2]

اساتذہ و تلامذہ

آپ نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے اُستفادہ کیا جن میں چند کے نام یہ ہیں: امام نسائی، امام ابوزرعہ دمشقی اور احمد بن معلی وغیرہ ۔ المعجم الصغیر میں تحقیق کے مطابق امام طبرانی نے بغداد کے ۶۲ شیوخ سے فائدہ اٹھایا۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے، چند کے نام یہ ہیں: ابن عمید، صاحب بن عباد۔ یہ دونوں اپنے دور کے وزیر بھی تھے۔ ان کے علاوہ محمد بن حسین بسطامی، ابن عقدہ، اور محمد بن احمد جارودی وغیرہ۔ ابو العباس احمد بن منصور کہتے ہیں میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں سنی ہیں، اس سے ان کی وسعتِ روایت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علمی اَسفار

امام طبرانی ۱۳ برس کے تھے کہ تحصیل علم میں میں مشغول ہوئے، پہلے آپ نے اپنے آبائی وطن طبریہ میں اصحابِ علم و فضل سے استفادہ کیا ۔ ۲۷۴ھ میں بیت المقدس کی طرف سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے فائدہ اُٹھایا۔ پھر ۲۷۵ھ میں قیساریہ تشریف لے گئے اس کے بعد اُنھوں نے حمص، جبلہ، مدائن، شام، مکہ، مدینہ، یمن، مصر، بغداد، کوفہ بصرہ، جزیرہ، فارس

---

۱ تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۲۶

۲ ایضاً

اور اصفہان وغیرہ کی طرف سفر کر کے اپنی علمی پیاس بجھائی۔[1]

امام طبرانی رحمہ اللہ کے رحلاتِ علمیہ کی مختصر داستان اس طرح ہے:

۲۷۳ھ کو سماع حدیث شروع کیا، اس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔

۲۷۴ھ کو بیت المقدس کی طرف سفر کیا، اسی سال رملہ گئے اور واپس عکا آئے۔

۲۷۵ھ میں عکا میں سماع حدیث کیا۔

۲۷۷ھ میں طبریہ میں ٹھہرے۔

۲۷۸ھ میں مدائن کی طرف متوجہ ہوئے اور حمص، حلب، طرطوس، سنجار، مِصّیصہ پہنچے۔

۲۷۹ھ میں جَبلہ پہنچے اور اسی سال دمشق گئے۔

۲۸۰ھ میں آپ مصر گئے۔

۲۸۲ھ میں آپ نے سمندری سفر کیا اور یمن کے علاقے شبام پہنچے۔

۲۸۳ھ کو آپ نے حج کیا، مکہ اور مدینہ کے محدثین سے فائدہ اٹھایا۔

۲۸۴ھ کو آپ یمن کے علاقے صنعاء پہنچے۔

۲۸۵ھ کو آپ مصر پہنچے، ۲۸۷ھ میں بغداد آئے، ۲۸۸ھ تک وہاں کے محدثین سے علم حاصل کیا۔

آپ کی عمر ۳۳ سال ہو گئی اور ۲۹۰ھ کو آپ اصفہان پہنچے۔ پھر فارس کا سفر کیا ۔

۳۱۰ھ یا ۳۱۱ کو پھر آپ واپس اصفہان آئے اور اسی کو اپنا مسکن بنالیا اور ۳۶۰ھ یعنی وفات تک یہاں ٹھہرے۔

المعجم الصغیر سے امام طبرانی کے علمی سفر پر روشنی پڑتی ہے، جس میں ان شہروں میں ان کے اساتذہ کے ناموں کا بھی علم ہوتا ہے۔ اس کے لیے ان احادیث کی اسناد کا ترتیب وار مطالعہ کریں۔ ۵، ۲۰۹، ۹۸، ۶۵۹، ۱۸، ۷، ۱۱۰۱، ۱۰، ۸، ۲، ۴، ۱، ۹۷۵، ۶۸۰، ۹۵۲، ۲۱۳، ۶۵۲، ۲۲۲، ۱۱۰۰، ۲۱۶، ۱۰۱، ۲۱۱، ۱۰۱۴، ۷۶۳، ۶۱، ۶۵۵، ۲۴۵، ۶۹۷، ۹۱۱

---

۱ تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۲۷

۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدثین کے ہاں مقام و مرتبہ

امام موصوف اپنے دور کے عظیم محدثین کی آنکھوں کا تارہ تھے۔ معاصرین اور متاخرین ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چند ایک کی گواہیاں پیش خدمت ہیں:

ابراہیم بن محمد بن حمزہ نے کہا: میں نے ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں دیکھا۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ: ضبط و ثقاہت اور صدق و امانت کے ساتھ بڑے عظیم رتبہ پر فائز اور عالی شان محدث تھے۔ اور ذہبی نے ہی انھیں الامام العلامہ، اور مسند الدنیا کہا ہے۔ ابن عماد نے انھیں مسند العصر کہا۔[1]

امام طبرانی رحمہ اللہ حافظ ذہبی کی نظر میں

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هو الإمام الحافظ الثقة الرحال الجوال محدث الإسلام علم المعمرين[2]

حافظ ذہبی کی تحقیق کے مطابق امام طبرانی رحمہ اللہ نے عالم اسلام کے محدثین سے سولہ سال میں علم حاصل کیا، جبکہ راقم نے جب تتبع کیا تو المعجم الصغیر سے جو امام طبرانی رحمہ اللہ نے مختلف محدثین سے روایت بیان کرتے وقت خود تاریخیں لکھی ہیں ان میں سے آخری تاریخ ۲۹۵ھ ہے۔ آپ نے اصفہان میں اپنے شیخ محمد بن اسد اصبہانی سے روایت کیا۔[3] اور حافظ ذہبی کے مطابق انھوں نے سماعِ حدیث کی ابتدا ۲۷۳ھ کو کی اور باقاعدہ سفر ۲۷۵ھ کو شروع کیا، حالانکہ ۲۷۴ھ کو انھوں نے بیت المقدس میں سماع حدیث کیا۔[4] اگر ۲۷۵ سے ابتدا اور ۲۹۵ھ کو رحلۃ علمیہ کا اختتام لیں تو بیس سال بنتے ہیں نہ کہ سولہ۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ انھوں نے ۲۷۴ھ میں بیت المقدس کے اساتذہ/شیوخ سے احادیث لی تھیں جو تین شیوخ ہیں: احمد بن مسعود الخیاط[5]، احمد بن عبید بن اسماعیل الفریابی[1]، عبد اللہ بن محمد بن مسلم الفریابی[2]

۱ تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۲۶ تا ۱۳۰؛ لسان المیزان: ۳/۷۳

۲ سیر اعلام النبلاء: ج۱۶/ص۱۱۹

۳ المعجم الصغیر: رقم الحدیث ۹۱۱

۴ المعجم الصغیر: ۵

۵ المعجم الصغیر: ۵ ۴

امام ابن مندہ اور حافظ ذہبی کی تحقیق کے مطابق امام طبرانی نے اپنا وطن اصفہان کو بنایا اور ساٹھ سال وہاں ٹھہرے۔[3] واللہ اعلم۔ آپ ۲۹۰ھ میں پہلی دفعہ اصفہان آئے، پھر فارس کا سفر کیا، پھر ۳۱۰ھ یا ۳۱۱ کو دوبارہ اصفہان آئے۔[4] امام ابن مندہ کی تحقیق کے مطابق امام طبرانی ایک دفعہ اصفہان آئے تھے، پھر چلے گئے اور چودہ سال بعد پھر اصفہان آئے۔[5]

امام ابن مندہ نے امام طبرانی رحمہ اللہ کے مستند حالات پر ایک رسالہ لکھا جس میں لکھتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے اہل اصفہان پر فضل اور احسان کیا کہ ان میں امام طبرانی جیسے عظیم محدث کو رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔"[6]

تصنیفات

المعجم الْكَبِير (۲۰۰ جلدیں)	الْمُعْجم الْأَوْسَط (۲۴ جلدیں)
الْمُعْجم الصَّغِير (۷ جلدیں)	مُسْنَد الْعشْرَة (۳۰ جلدیں)
مُسْنَد الشاميين (۱۰ جلد)	كتاب النَّوَادِر (۱۰ جلدیں)
كتاب معرفَة الصَّحَابَة	الْفَوَائِد (۱۰ جلدیں)
مُسْند أبي هُرَيْرَة رضی اللہ عنہ	مُسْند عَائِشَة رَضِي الله عَنْهَا
مُسْند أبي ذَر الْغِفَارِيّ (۲ جلدیں)	كتاب التَّفْسِير
كتاب مسانيد تَفْسِير بكر بن سهل	كتاب دَلَائِل النُّبُوَّة (۱۰ جلدیں)
كتاب الدُّعَاء (۱۰ جلدیں)	كتاب السّنة (۱۰ جلدیں)
كتاب الطوالات (۳ جلدیں)	كتاب الْعلم
كتاب وَصِيَّة النَّبِي ﷺ	وَصِيَّة النَّبِي لأبي هُرَيْرَة

۱ المعجم الصغیر: ۹۹

۲ المعجم الصغیر: ۶۰۰

۳ سیر اعلام النبلاء: ج۱۶/ص۳

۴ سیر اعلام النبلاء: ج۱۶/ص۳

۵ جزء فیہ ذکر الامام الطبرانی: ص۲

۶ جزء فیہ ذکر الامام الطبرانی: ص۱

magazine.mohaddis.com

كتاب ذكر الخلافة لأبي بكر وعمر — كتاب جامع صِفَات النَّبِي ﷺ
كتاب فَضَائِلِ الْعَرَب وَعُثْمَان وَعلي — مقتل الْحُسَيْن بن عَلِيّ رضی اللہ عنہ
كتاب نسب النَّبِي ﷺ وَصفة الْخُلَفَاء — كتاب انسابهم واسمائهم وَكُنَاهُمْ

امام طبرانی کی تصانیف سو سے زائد ہیں جن میں فضائل، مسانید اور فقہی موضوعات پر احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ امام صاحب اپنی زندگی میں مرجع خلائق تھے اور وفات کے بعد ان کی کتب مرجع ثابت ہوئیں۔ امام طبرانی کی زندگی میں یا ان کی وفات کے بعد سے لے کر اب تک جو بھی کام حدیث اور علوم حدیث پر ہو رہے ہیں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں امام الدنیا امام طبرانی کا ذکر خیر نہ ہو۔ آپ جو کتبِ حدیث، کتبِ رجال، کتبِ علل، کتبِ علوم حدیث، کتبِ تخریج، کتب شروح حدیث اور کتبِ تفسیر اٹھائیں، سب میں امام طبرانی کا ذکر ضرور ملتا ہے۔

وفات کا سبب

آپ بڑے غیرت مند انسان تھے، دین پر کسی سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے بلکہ دوٹوک انداز میں قرآن وحدیث کی ترجمانی کرتے تھے۔ یہی دینی حمیت بعض فرقِ باطلہ کو اچھی نہ لگی اور انھوں نے آپ پر جادو کروا دیا جس سے آپ کی آنکھوں کی بصارت جاتی رہی اور آپ نے بروز شنبہ ۲۸ ذوالحجہ ۳۶۰ھ کو سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپکی نمازِ جنازہ امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ نے پڑھائی اور صحابی رسول حممہ بن حممہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔[1]

امام طبرانی ۳۶۰ھ بروز ہفتہ فوت ہوئے اور اتوار کو 'جی' شہر کے دروازے المعروف بتیرہ دفن ہوئے۔[2]

امام طبرانی کی تالیفاتِ حدیث اور ان کا اُسلوب

محدثین کی اصطلاح میں مُعجَم ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں شیوخ کی ترتیب پر حدیثیں درج کی گئی ہیں۔

المعجَم الکبیر: اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر ان کی مرویات شامل کی گئی ہیں۔ اور

---

1 تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۳۰؛ سیر اعلام النبلاء: ۱۶/۱۱۹ تا ۱۳۰

2 تاریخ اصبہان: ص ۱۷۰

اس میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (م ۵۷ھ) جن کی مرویات کی تعداد ۵۳۶۴ ہے، اس میں شامل نہیں ہیں۔ یہ کتاب ۱۲ جلدوں میں ہے اور اس میں ۶۰ ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں۔

المعجم الأوسط: اس کتاب کو بھی امام طبرانیؒ نے شیوخ کے ناموں پر مرتب کیا ہے، اس کی ترتیب و تالیف میں امام صاحب نے بڑی کاوش اور محنت کی۔ آپ کو یہ کتاب بہت عزیز تھی، اس کتاب سے امام صاحب کی حدیث میں فضیلت وکمال اور احادیث سے کثرتِ واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کتاب ۶ ضخیم جلدوں میں ہے۔

یہ معجم شیوخ کے اعتبار سے ہے۔ ہر شیخ سے امام طبرانی عجیب وغریب روایات لائے ہیں۔ یہ دار قطنی کی 'الافراد' کی مثل ہے، امام طبرانی اس کتاب کے متعلق کہا کرتے تھے کہ اس میں میری روح ہے، یعنی یہ کتاب انھیں بہت ہی پسند تھی۔

یہ کتاب گم شدہ کتب میں سے تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا مکمل قلمی نسخہ ترکی سے میسر فرما دیا۔ اس عظیم کتاب کو منظر عام پر لانے کا کریڈٹ اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت کے بعد سید صبحی بدری سامرائی کو جاتا ہے، جزاہ اللہ خیرً۔ اس کی سب سے پہلے تحقیق ڈاکٹر محمود طحان نے تحقیق کی اور تین جلدیں شائع کیں اور باقی کا وعدہ کیا۔ لیکن وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، باقی اجزا کی وہ تحقیق نہ کر سکے اور جن تین اجزا کی تحقیق کی تھی، اس کو بھی محققین اور اہل علم نے زیادہ پسند نہ کیا کیونکہ اس میں بہت زیادہ تحریف، تصحیف اور سقط رہ گیا تھا حالانکہ اس طرح کی کمزوریوں سے کتاب کو منزہ ہونا چاہئے اور ہر صاحب علم جانتا ہے کہ ان مذکورہ خامیوں کا کتاب کے نقائص میں کتنا عمل دخل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے محدث العصر ابو اسحٰق الحوینی حفظہ اللہ کو کہ انھوں نے فضیلۃ الشیخ محقق طارق بن عوض اللہ مصری حفظہ اللہ کو توجہ دلائی کہ آپ المعجم الاوسط پر کام کریں، پھر طارق بن عوض اللہ کی نگرانی میں ایک ٹیم نے اس کتاب پر محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے علم کے حصول میں مسلسل بیس سال محنت کی اور علم کی شاہراہ پر چل کر غرائب، افراد اور فوائد جمع کیے۔ المعجم الاوسط کا مقام ومرتبہ بجا ہے۔ شیخ ابو اسحٰق الحوینی حفظہ اللہ نے اس پر کچھ تعاقب عوذ الجاني بتسديد الأوهام الواقعة في أوسط الطبراني کے نام سے کیا ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

منہج کتاب: امام طبرانی رحمہ اللہ کی عظیم الشان فوائد پر مشتمل یہ کتاب ہے، اس میں انھوں نے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

اپنے مشائخ کی وہ تمام مرویات جمع کر دی ہیں جو خود سنی ہیں۔ شیوخ کی ترتیب حروف تہجی والی قائم کی ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل منہج اختیار کیا گیا ہے:

① امام طبرانی اپنی اس کتاب میں عجیب وغریب معلومات لکھتے ہیں جیسا کہ

- ایک راوی کے بارے میں ابو مروان عثمانی کہتے ہیں کہ جب میں نے ان سے حدیث سنی اس وقت ان کی عمر ایک سو بارہ سال تھی۔ (حدیث نمبر:۱۰۳۶)
- ابو عمرو زیاد بن طارق کے متعلق لکھا ہے کہ جب اُن سے عبید اللہ بن رماحس نے بیان کیا تو اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔(حدیث نمبر:۴۶۳۰)
- کثیر النواء اپنے شیخ ابو مریم انصاری کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب میں نے ان سے حدیث بیان کی تو اس وقت ان کی عمر ایک سو پچاس سال تھی۔ (حدیث نمبر:۵۰۸۱)

② امام طبرانی راوی کی نسبت کی وجہ تسمیہ بھی لکھتے ہیں۔ مثلاً ایک راوی ابو مالک الصفی ہیں ۔ان کو الصفی کہنے کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ابو بکر بن صدقہ نے کہا کہ اُنھوں نے بصرہ مسجد میں پچاس سال تک پہلی صف میں نماز کی پابندی کی۔(حدیث:۱۳۷۴)

③ اسی طرح امام طبرانی رحمہ اللہ جب بھی کسی شیخ کی احادیث کو شروع کرتے ہیں تو اس کا مفصل نام لکھتے ہیں، پھر اس کے نام، والد اور نسبت کو بیان کرتے ہیں۔(حدیث:۳۰)، اور بعض دفعہ صرف شیخ کے نام پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ (حدیث:۳۱)

مثلاً پہلی روایت اس طرح ذکر کرتے ہیں:

حدثنا أحمد بن عبد الوهاب بن نجده الحوطي

بعد میں صرف احمد بن عبد الوہاب پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی صرف احمد کو کافی سمجھتے ہیں۔

المعجم الصغیر اور اس کا اُسلوب

اس کی ترتیب بھی شیوخ کے ناموں پر ہے اور اس میں ایک ہزار سے زیادہ شیوخ کی ایک ایک حدیث جمع کی ہے۔ یہ ۱۳۱۱ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی۔

① امام طبرانی رحمہ اللہ ہر روایت کے آخر میں تفرد کی وضاحت ضرور کرتے ہیں مثلاً تفرد به معلی بن عبدالرحمٰن اور تمام احادیث کے آخر میں اسطرح کی وضاحتیں موجود ہیں۔

تاہم بعض احادیث کے آخر میں تفرد کی وضاحت نہیں، مثلاً دیکھئے حدیث:۱۴۴،۱۲،۷

امام طبرانی رحمہ اللہ کے اس انداز پر محدث العصر ابو اسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے تنقید کی ہے اور اپنی ۱۹ جلدوں کی لاجواب کتاب "تنبيه الهاجد إلى ما وقع من النظر في كتب الأماجد" میں اس کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور تفرد کے وہم کو زائل کرتے ہوئے مزید اس کے توابع لکھے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قاری شیخ الحوینی حفظہ اللہ کی سندِ حدیث پر دقت نظر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ واضح رہے کہ بعض عرب علما شیخ الحوینی حفظہ اللہ کے اس نقطہ نظر سے کلی اتفاق نہیں کرتے۔

② امام طبرانی رحمہ اللہ بعض احادیث پر صحت وضعف کے لحاظ سے حکم لگاتے ہیں، مثلاً ایک حدیث کی دو سندیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وهما صحيحان" (بعد حدیث:۱۷۵)

③ امام طبرانی رحمہ اللہ کبھی کبھی کنیت سے معروف راویوں کے اصل نام بھی لکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات اس کے اصل نام کے ثبوت کے لئے اس کو باسند پیش کرتے ہیں مثلاً مشہور صحابی ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے اصل نام کی وضاحت کے لئے سند لکھتے ہیں:

حدثنا أبو زرعة عبد الرحمٰن بن عمرو الدمشقي، حدثنا حيوة بن شريح، قال سمعت بقية بن الوليد، يقول اسم أبي ثعلبة الخشنى: لاشومة بن جرثومة. (بعد حدیث:۱۷۰)

④ امام طبرانی رحمہ اللہ اپنے شیوخ کا مکمل نام لکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ محقق اور قاری کسی وہم میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس سے بھی امام طبرانی رحمہ اللہ کی احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جس بھی شیخ سے حدیث لیتے، اس کا مکمل نام تفصیل کے ساتھ ضرور لکھتے، لکھنے کے بعد اس کو محفوظ رکھتے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

حدثنا محمد بن عبد الرحيم بن بحير بن عبد الله بن معاوية بن بحير بن ريشان الحميرى (حدیث:۹۷۳)

⑤ امام طبرانی رحمہ اللہ بسا اوقات اپنے شیخ سے جس شہر میں روایت سنتے ہیں، اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں مثلاً لکھتے ہیں: حدثنا يحيى بن محمد الجبانى البصرى، ببغداد (حدیث:۱۷۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں: حدثنا إبراهيم بن موسى النورى، ببغداد (حدیث:۳۴۰)

magazine.mohaddis.com

⑥ امام طبرانی رحمہ اللہ بسا اوقات یہ بھی بتاتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے شیخ سے کس سال سنی۔ اس سے امام طبرانی کے حالاتِ زندگی کی وضاحت ہوتی ہے کہ کس سال وہ کہاں تھے؟ بعض اوقات اس سے بڑی اہم باتوں کا علم ہوتا۔ امام طبرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

حدثنا أحمد بن عبد الله اللحياني العكاوي، بمدينة عكاء سنة خمس وسبعين ومئتين (حدیث:۸۳۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام طبرانی رحمہ اللہ پندرہ سال کی عمر میں سماع حدیث کر چکے تھے اور کتابت حدیث میں آپ کے اہتمام واحتیاط کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی علم ہوتا ہے کہ آپ عکاء میں پیدا ہوئے۔ اور عکاء بستی کے بجائے ایک شہر کا نام ہے۔

⑦ امام صاحب روایت حدیث کے بعد في كتابه کی وضاحت بھی کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ شیخ نے اس حدیث کو اپنی کتاب سے بیان کیا تھا۔ مثلاً لکھتے ہیں :

حدثنا إبراهيم بن إسحق الحربي في كتابه (حدیث:۹۲۰)

⑧ امام رحمہ اللہ بسا اوقات مختلف فیہ مسائل میں بھی اپنے رائے کا اظہار کرتے ہیں مثلاً ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بنی عبدِ مناف، اے بنی عبد مطلب! اگر تم اس معاملہ کے ذمہ دار بنو تو خانہ کعبہ کا طواف کرنے والے کسی بھی شخص کو رات اور دن کے کسی بھی حصے میں نماز پڑھنے سے منع نہ کرنا۔ امام طبرانی اس حدیث میں بیان کئے گئے فقہی مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

يعني الركعتين بعد الطواف السبع أن يصلى بعد صلاة الصبح قبل طلوع الشمس وبعد صلاة العصر قبل غروب الشمس وفي كل النهار. (حدیث:۱۸۴)

"آپ ﷺ کی مراد سات چکر طواف کے بعد کی دو رکعتوں سے ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد غروب سے پہلے اور اسی طرح دن کے ہر حصہ میں پڑھی جاسکتی ہیں۔"

⑨ بعض دفعہ شبہات کا بھی ازالہ کرتے ہیں، ایک حدیث کے بعد لوگوں کا شبہ ذکر کرتے ہیں کہ "ہم لوگ دعائیں کرتے ہیں مگر وہ قبول نہیں ہوتیں۔" پھر اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: گویا یہ اعتراض اللہ تعالیٰ پر ہے کیونکہ اس نے خود فرمایا ہے اور یقیناً اس کی

بات برحق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[1]

نیز فرمایا: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾[2]

"اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان کے نزدیک ہوں اور پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔"

پھر اس شبہ کے جواب میں ایک حدیث بھی لے کر آئے ہیں۔[3]

⑩ امام طبرانی رحمہ اللہ بعض احادیث کو اپنی دیگر کتب مثلاً المعجم الکبیر یا المعجم الاوسط سے بیان کر دیتے ہیں مثلاً دیکھئے المعجم الکبیر کی احادیث

(الکبیر: ج۲۳/ ص ۴۳۳، الصغیر: ۵۹۳) (الکبیر: ج۲۳/ ص ۹۳، ۳۹۳، الصغیر: ۵۷۳)

(الکبیر: ج۲۵/ ص ۱۰۲، الصغیر: ۴۹۸) (المعجم الاوسط: ۱۳۴۲، الصغیر: ۷۵۵)

معاجم ثلاثہ کے اُسلوب کا موازنہ

المعجم الکبیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب سے ان سے مروی احادیث جمع کی ہیں لیکن اس میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند نہیں ہے، کیونکہ وہ ان کی الگ مسند لکھنا چاہتے تھے۔ اسی طرح بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کی تمام روایات کا احاطہ نہیں کیا۔ صحابی کی روایات ذکر کرنے سے پہلے اس کے حالات باسند ذکر کرتے ہیں۔ سیرتِ صحابہ ﷺ کی مستند رباسند کتاب المعجم الکبیر سے الگ کی جاسکتی ہے۔ پھر ان سے مروی احادیث بیان کی ہیں۔

جبکہ المعجم الاوسط میں شیوخ سے جتنی بھی مرویات ملیں، وہ تمام بیان کردی گئی ہیں۔

المعجم الصغیر میں صرف ایک شیخ سے ایک ہی حدیث بیان کی ہے، دیکھیں (سیر اعلام النبلاء)

المعجم الاوسط میں اور المعجم الصغیر میں بعض رواۃ پر حکم بھی لگایا ہے لیکن المعجم الکبیر میں کسی راوی پر حکم نہیں لگایا۔

المعجم الکبیر میں تفرد کا ذکر نہیں کیا جبکہ الصغیر اور الاوسط دونوں میں تفرد کا ذکر کیا ہے۔

تینوں معاجم میں کچھ باتیں مشترک ہیں مثلاً

۱ سورۃ المؤمن: ۶۰
۲ سورۃ البقرۃ: ۱۸۶
۳ المعجم الصغیر: ص ۲۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ہر بات باسند پیش کی ہے جبکہ مرفوع، موقوف اور مقطوع تینوں طرح کی روایات بیان کی ہیں اور ان میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔

امام طبرانی کی دیگر کتب کا مختصر تعارف

مسند الشامیین: اس کتاب میں صرف ان صحابہ سے روایات بیان کی ہیں جو شام میں مقیم تھے اور شام کے بعض راویوں کے جرحِ تعدیل کے لحاظ سے حالات بھی باسند بیان ہوئے ہیں۔

مسند الشامیین سے محدثین نے رواۃ کے حالات بھی بیان کیے ہیں مثلاً الإکمال از محمد حسنی میں کافی جگہوں پر مسند الشامیین کے حوالے سے جرح وتعدیل اور راویوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً الاکمال: ۱۰۸۵، ۱۱۱۸

طرقِ حدیث من كذب علي: اس میں ۶۳ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک ہی روایت «من كذب علي متعمدًا» کو مختلف ۸۷ اسندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کتاب الاوائل: اس کتاب میں امام طبرانی رحمہ اللہ نے ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں ہر معاملہ میں اولین کا ذکر ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا وغیرہ

الاحادیث الطوال: امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ان ۶۲ احادیث کو جمع کیا ہے جو متن کے لحاظ سے مفصل اور لمبی ہیں۔

امام طبرانی کا راویوں پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے حکم لگانا

امام طبرانی رحمہ اللہ بسا اوقات اپنی کتب میں بعض راویوں پر حکم بھی لگاتے ہیں۔ اور ایسے کبھی خود اور کبھی کسی معتبر محدث سے باسند نقل کرتے ہیں۔ مثلاً

ابراہیم بن ابی عبلہ	ثقہ	(مسند الشامیین: ۷)
ثور بن یزید کلاعی	ثقہ	(مسند الشامیین: ۵۰۰)
شعیب بن ابی حمزہ	ثقہ ثبت	(مسند الشامیین: ۲۹۲۹)
داود بن ابی القصاف	شیخ ثقہ	(الاوسط: ۳۵۰۴)
سیف بن عبید اللہ	کان ثقہ	(الاوسط: ۱۶۹۳)
عبد اللہ بن عبد اللہ بداوی	ثقہ	(الاوسط: ۷۵۴۴)
عبد السلام بن ہاشم	ما اعلم الا خیراً	(الاوسط: ۸۱۴۳)

تحقیق وتنقید

محسن فارانی

قسط دوم

اہل صحافت کی لغزشیں

⑪ حافظ محمد ادریس صاحب نائیجیریا کی آزادی کے بعد فوجی انقلابات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"صدر نوافور اور یزدو نے بزدلی دکھائی اور خود ہی حکومت فوج کے حوالے کر دی۔ فوجیوں نے سمجھا کہ سر ابوبکر (وزیرِ اعظم) اور سر احمد دبیلو (وزیرِ اعلیٰ شمالی نائیجیریا) ان کے راستے کی رکاوٹ ہوں گے، چنانچہ لیفٹیننٹ یعقوبو گوون نے ایک اور فوجی بغاوت کر دی اور وزیر اعظم دو وزیر اعلیٰ کو شہید کر دیا۔" (روزنامہ 'نئی بات': ۸ مئی ۲۰۱۵ء)

یہاں نائیجیریا میں ۱۹۶۶ء کے دو فوجی انقلابات کے واقعات گڈمڈ ہو گئے۔ دراصل جنوری ۱۹۶۶ء میں عیسائی جنرل ارونسی نے فوجی انقلاب برپا کر کے سر ابوبکر تفاوابلیوا اور سر احمد دبیلو کو شہید کر دیا تھا۔ اس کے ردِّ عمل میں دوسرا فوجی انقلاب یعقوبو گوون نے اگست ۱۹۶۶ء میں برپا کیا جس میں جنرل ارونسی کو ہلاک کر کے خود حکومت سنبھال لی۔ یعقوبو گوون مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے تھے مگر مشنری ادارے میں تعلیم پا کر عیسائی ہو گئے تھے۔ حافظ صاحب نے اس زمانے میں نائیجیریا کے دو ریاستوں یا صوبوں، شمالی اور جنوبی نائیجیریا میں منقسم ہونے کا ذکر کیا ہے، حالانکہ ان دنوں یہ ملک شمالی نائیجیریا، مشرقی نائیجیریا اور مغربی نائیجیریا میں منقسم تھا۔ مشرقی نائیجیریا میں عیسائیوں کی اکثریت تھی اور وہاں کرنل اوجوکو نے بغاوت کر کے ۱۹۶۷ء میں 'بیافرا' کے نام سے آزاد ریاست قائم کر لی تھی جسے تیل کے لالچ میں یورپی ممالک فرانس وغیرہ نے تسلیم کر لیا تھا اور پھر تین سال کی خانہ جنگی کے بعد ۱۹۷۰ء میں صدر یعقوبو گوون بیافرا کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے تھے جبکہ بیافرا کی بغاوت کچلنے میں سوویت روس نے اُن کی اسلحی امداد کی تھی۔ کرنل اوجوکو ملک سے فرار ہو گیا تھا۔

⑫ رانا عامر جاوید نے روزنامہ 'نئی بات' (۸ مئی ۲۰۱۵ء) میں اکبر اللہ آبادی کا ایک مشہور قطعہ نقل کیا

دیکھیں جو چند بیبیاں بے پردہ راہ میں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا کہ ان کے پاس جو پردہ تھا کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

magazine.mohaddis.com

اکبر کا اصل قطعہ یوں ہے

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں — اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

سو سال پہلے برصغیر میں بے پردگی خال خال تھی، اس پر سرکاری جج اکبر الہ آبادی کو اس قدر قلق ہوا۔ وہ آج کی بے پردگی کے 'فحاشی کو چھوتے جلوے' دیکھتے تو جانے اُن کا کیا حال ہوتا۔

⑬ جاوید چودھری 'ایکسپریس' میں لکھتے ہیں: (۵ مئی ۲۰۱۵ء)

"برطانیہ نے سو سال قبل ۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو گیلی پولی کے جزیرے پر حملہ کیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ گیلی پولی ترکی میں ایک 'جزیرہ نما' (Peninsula) ہے 'جزیرہ' (Island) نہیں۔ جزیرہ نما کے تین طرف پانی اور ایک طرف خشکی ہوتی ہے۔ چھوٹے سے جزیرہ نما گیلی پولی (Gallipoli Peninsula) کے مشرق میں درۂ دانیال کا تنگ سمندری راستہ (آبنائے) ہے اور جنوب اور مغرب میں بحیرہ ایجہ (Agean Sea) واقع ہے جبکہ چوتھی جانب شمال میں وہ یورپی ترکی (تھریس) سے ملا ہوا ہے۔ ایسے ہی عرب بہت بڑا جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف سمندر ہے یعنی مشرق میں خلیج فارس، آبنائے ہرمز اور خلیج عُمان، جنوب میں بحیرۂ عرب اور خلیج عدن، مغرب میں بحیرۂ احمر اور شمال میں عراق، کویت اور اُردن واقع ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وسیع تر عرب جس میں مغربی عراق، فلسطین، لبنان، بیشتر شام اور اُردن بھی شامل تھے، اسے تاریخ میں جزیرۃ العرب کہا گیا ہے کیونکہ اس کے چوتھی جانب شمال میں بھی دریائے فرات کا پانی بہتا ہے۔ جغرافیائی طور پر اب جزیرہ نمائے عرب میں سعودی عرب، کویت، قطر، متحدہ عرب امارات، عُمان اور یمن شامل ہیں اور یہی حدیث میں مذکور جزیرۃ العرب ہے۔ عربی میں جزیرہ نما کو شبه الجزيرة کہا جاتا ہے۔

⑭ ذوالفقار علی بھٹو کے بُری طرح شیدائی فرخ سہیل گوئندی اپنے کالم 'مستقبل' میں لکھتے ہیں:

"ذوالفقار علی بھٹو اکثر کہا کرتے تھے کہ میں تاریخ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جس کو تاریخ کا ادراک ہو۔" ('نئی بات' ۹ مئی ۲۰۱۵ء)

آگے موصوف نے بھٹو کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ حالانکہ عقلِ سلیم کی بات ہے کہ تاریخ میں تو چنگیز اور ہلاکو بھی زندہ ہیں۔ تاریخ میں محض زندہ رہنا کوئی بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان نیک نامی کے ساتھ تاریخ میں زندہ رہے۔ ہوسِ اقتدار میں فوجی آمر جنرل یحییٰ

خان سے گٹھ جوڑ کرکے مشرقی پاکستان کی منتخب قیادت کا راستہ روکنے کے لیے وہاں آرمی ایکشن کروانا اور بنگلہ دیش بنوا کر نصف پاکستان کو نیا پاکستان کا نام دینا اور یہاں سویلین چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بن بیٹھنا سیاستدان بھٹو کے لیے شرمناک تھا۔ بھٹو بے شک تاریخ میں زندہ ہے مگر متحدہ پاکستان کو توڑ کر اپنا تختِ اقتدار جمانے والے سیاستدان کے طور پر۔ اگر اسے تاریخ کا ادراک ہوتا تو وہ قومی اسمبلی میں ۸۱ ارکان کی اقلیت کے ساتھ ۱۶۰ ارکان کی اکثریت والے شیخ مجیب کو اقتدار منتقل کرنے کی حمایت کرتا اور ڈھاکہ جانے والوں کی ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دے کر ملک توڑنے والا کردار نہ بنتا۔ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس ڈھاکہ کا بائیکاٹ نہ کرتا، اسمبلی کا اجلاس ہونے دیتا، صبر کے ساتھ اپوزیشن لیڈر بنتا اور پھر اگلے عام انتخابات میں اس کی جیت ہو سکتی تھی۔

پھر یہ کون سا تاریخ کا ادراک ہے کہ ساڑھے پانچ سالہ دور میں اس نے ایک بار بھی بلدیاتی انتخابات نہیں کرائے اور مارچ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں شرمناک دھاندلی کی۔ موصوف خود، ان کے چاروں وزرائے اعظم اور ۲۸ ارکانِ اسمبلی دھاندلی سے 'بلامقابلہ' منتخب قرار پائے اور انتخابی دھاندلی کے خلاف تحریک چلی تو اس نے اپنی خصوصی 'وفاقی سلامتی فورس' (FSF)، پولیس اور فوج سے فائرنگ کروا کے ۳۰۷ سے زائد مظاہرین شہید کر ڈالے اور پھر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق نے مارشل لا لگا کر بھٹو کے ملک میں خانہ جنگی کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

بھٹو نے اپنی ہی پارٹی کے سیاسی مخالف احمد رضا خاں قصوری ایم این اے کو قتل کروانا چاہا تھا مگر FSF والوں کی فائرنگ میں اُن کے باپ نواب احمد خاں کو شہید کر دیا گیا۔ عدالتِ عالیہ کے پانچ رکنی بنچ نے بھٹو کو اس مقدمۂ قتل میں سزائے موت دی جسے سپریم کورٹ اور صدرِ مملکت جنرل ضیاء الحق نے بحال رکھا اور بالآخر ۴ جنوری ۱۹۷۹ء کو بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ یہ اپنے اقتدار کی خاطر بہت سے انسانوں کی جانیں لینے والے کا عبرتناک انجام تھا جسے تاریخ کا حقیقی ادراک نہیں تھا۔ وہ ۱۹۷۷ء میں دھاندلی نہ کرواتا تو بھی دیہی ووٹوں کی بنا پر برسرِاقتدار رہ سکتا تھا مگر اُس کا غرور اسے لے ڈوبا۔ اس نے اطالوی صحافیہ اوریانا فلاچی سے انٹرویو میں کہا تھا: "میں پاکستان کے تمام حکمرانوں سے زیادہ عرصے تک حکومت کروں گا۔" اور پھر پاکستانی قومی اتحاد (PNA) کی احتجاجی تحریک کے دنوں میں بھٹو نے تکبر سے کہا: "میری کرسی بڑی مضبوط ہے!" اس تکبر ہی نے اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہونے دیا۔

⑮ مقتدا منصور میں 'صدائے جرس' میں لکھتے ہیں:

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

”سندھی عوام نے سب سے پہلے اپنی اسمبلی میں پاکستان کے حق میں قرار داد منظور کی اور غدّار قرار پائے۔“ (روزنامہ ’ایکسپریس‘ ۴ مئی ۲۰۱۵ء)

در حقیقت ۱۹۴۳ء میں سندھ صوبائی مسلم لیگ نے اپنے اجلاس میں پاکستان کے حق میں قرار داد منظور کی تھی، نہ کہ سندھ کی صوبائی اسمبلی نے۔ پھر یہ سندھی عوام کے غدار قرار پانے کی بات تو سراسر جھوٹ ہے۔ وہ تو جی ایم سید کی قیادت میں ایک حقیر اقلیتی ٹولا تھا جس نے منحرف ہو کر قیام پاکستان سے پہلے ہی اس کی مخالفت شروع کر دی تھی جبکہ سندھی عوام کی بھاری اکثریت نے ۱۹۴۵-۴۶ء کے عام انتخابات میں اپنا ووٹ قیامِ پاکستان کے حق میں دیا تھا۔

⑯ فاروق حارث العباسی سنڈے میگزین ’نئی بات‘ میں لکھتے ہیں:

”شاہ سعود بن عبد العزیز کے صاحبزادے شہزادہ فیصل نے نہایت اعلیٰ خدمات انجام دیں جنھیں دیکھتے ہوئے شہزادہ فیصل کو ولی عہد سلطنت مقرر کر دیا گیا۔“ (۱۰تا۱۶ مئی ۲۰۱۵ء)

سعودی عرب پر اس مضمون میں آگے چل کر لکھا ہے:

”۱۹۵۸ء میں مالی بحران کے آثار پیدا ہوئے تو شاہ سعود نے اپنے صاحبزادے ولی عہد شہزادہ فیصل کو وقتی طور پر حکومت کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔“

در حقیقت شہزادہ فیصل بن عبد العزیز شاہ سعود بن عبد العزیز (۱۹۵۳-۶۴ء) کے چھوٹے بھائی تھے نہ کہ بیٹے۔ بڑے بھائی شاہ سعود کے بعد ۱۹۶۴ء میں فیصل بادشاہ بنے۔ آغاز میں لکھا ہے:

”ترکیہ کے خلیفہ شاہ حسین جو کہ حجاز پر بھی قابض تھے، عبد العزیز اُنھیں شکست دے کر حجاز پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔“

دراصل حسین بن علی ہاشمی ترکیہ کے خلیفہ محمد خامس(۱۹۰۹-۱۹ء) کے زیرِ حکومت ’شریف مکہ‘ تھے نہ کہ ترکی کے خلیفہ۔ شریفِ مکہ حسین ہاشمی نے اپنے بیٹوں فیصل، عبد اللہ اور زید کے ساتھ سلطنتِ عثمانیہ کے خلیفہ محمد پنجم کے خلاف بغاوت کی تھی اور انگریزوں کی مدد سے حجاز پر قبضہ کر کے بادشاہِ حجاز بن بیٹھا تھا جہاں سے شاہ عبد العزیز نے (۱۹۲۴-۲۶ء) میں اسے نکال باہر کیا۔

⑰ اثر چوہان ’سیاست نامہ‘ رقم طراز ہوئے:

”گلاسگو انٹر کلچرل آرٹس گروپ کے چیئرمین شیخ محمد اشرف نے ۶ ستمبر ۲۰۱۳ء کو گلاسگو میں ۱۳۰ اصحاب اور اصحابیات کو میرے اعزاز میں ظہرانے پر مدعو کیا۔“ (نوائے وقت ۱۰ مئی ۲۰۱۵ء)

چوہان صاحب بہت سینئر صحافی ہیں مگر اُنھوں نے خیال نہیں کیا کہ ’اصحابیات‘ کسی طرح ’صاحبہ‘ کی جمع نہیں ہو سکتی۔ وہ ’صاحبہ‘ کی جمع آسانی سے ’صاحبات‘ لکھ سکتے تھے۔ ’صاحب‘ کی جمع ’اصحاب‘ ہے اور ’صحابی‘ کی جمع ’صحابہ‘ ہے، نیز ’صحابیہ‘ کی جمع ’صحابیات‘ ہے لیکن چوہان صاحب نے ’صاحبات‘ کو نظر انداز کر کے ’اصحابیات‘ کی بے تکی اصطلاح گھڑ لی۔

⑱ عظیم ایم میاں ’جنگ‘ میں لکھتے ہیں:

”علامہ اقبال کو قرطبہ جانے کے لیے حکومتِ برطانیہ سے خصوصی اجازت لینی پڑی تھی۔ علامہ اقبال نے مسجدِ قرطبہ کے محراب میں جا کر جو نماز پڑھی وہ بھی اسپین کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پڑھی تھی۔“ (۲۷/ مئی ۲۰۱۵ء)

حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال نے مسجدِ قرطبہ میں نماز باقاعدہ اجازت لے کر پڑھی تھی۔ جب ہسپانوی اہلکار نے علامہ صاحب کو مسجد قرطبہ میں نماز پڑھنے سے یہ کہہ کر روکا کہ یہ خلافِ قانون ہے تو اُنھوں نے کہا کہ اپنے بڑے پادری کو بلاؤ۔ جب پادری آیا تو علامہ نے اس سے کہا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے تو نجرانی عیسائیوں کو مسجدِ نبوی میں اپنی عبادت کرنے سے نہیں روکا تھا۔ اس پر پادری نے علامہ کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ البتہ دار السلام کے مینیجنگ ڈائریکٹر عبد المالک مجاہد اپنے ’سنہرے سفر نامے‘ میں لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے گارڈ کی نگرانی کے باوجود اس کے اِدھر اُدھر ہونے پر ایک ستون کے پیچھے دو نفل ادا کر لیے تھے۔

⑲ قمر عباس نقوی ’زبانِ فرنگیانہ اور ہمارا معیارِ تعلیم‘ کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

”ایک تقریب میں ایک صاحب سے اُن کی مصروفیات پوچھیں تو بولے: ”ہم ایک یونیورسٹی میں فرنگی زبان کے استاد ہیں۔“ پوچھا یہ فرنگی زبان کیا ہوتی ہے؟ جواب دیا کہ اس زبان کا تعلق فرنگستان (انگلستان) سے ہے، اسی لیے انگریزوں کو زمانہ قدیم میں اُردو زبان میں فرنگی کہا جاتا تھا۔“ (ایکسپریس ۵ جون ۲۰۱۵ء)

دراصل فارسی کی اصطلاح ’فرنگ‘ نیز ’فرنگستان‘ دونوں براعظم یورپ کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور ’فرنگ‘ (یورپ) سے ’فرنگی‘ یعنی ’یورپی‘ کی اصطلاح نکلی ہے۔ عربی میں افرنج، افرنجہ اور افرنجی کی اصطلاحیں ’یورپ‘ اور ’غیر ملکی‘ کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ یوں فرنگ یا فرنگستان صرف انگلستان نہیں بلکہ پورا یورپ، روس سے لیکر آئر لینڈ اور آئس لینڈ تک، فرنگستان ہے اور صرف انگریزی کو فرنگی نہیں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کہتے بلکہ تمام یورپی زبانیں فرنگی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ برصغیر پر چونکہ انگریز (برطانوی) قابض رہے، اس لیے اُردو میں عموماً ان کیلئے 'فرنگی' یا 'افرنگی' کی اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں جیسے اقبال کہتے ہیں:

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج   من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

علامہ اقبال کا ایک فارسی شعر ہے

تُرا ناداں اُمیدِ غم گساری ہاز افرنگ است   دلِ شاہیں نہ لرزد بہر آں مرغے کہ درچنگ است

"اے نادان! تجھے افرنگ سے غم گساری کی امید ہے۔ باز کا دل اس پرندے کے لیے نہیں کانپتا جو اُس کے پنجوں میں چیخ رہا ہو۔"

ویسے یہ 'فرنگ' کی اصطلاح فرانسیسی اصطلاح فرینک (Frank قدیم فرانسیسی قوم) یا فرینکوں کے ملک فرانس (France) سے مفرّس ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں فرینک قوم کا ملک 'فرانس' کہلانے لگا تھا۔ تیسری صلیبی جنگ (۹۲-۱۱۸۹ء) سے شہرت پانے والا شاہ انگلستان رچرڈ لائن ہارٹ ایک فرانسیسی شاہی خانوادے 'آنجو' سے تعلق رکھتا تھا اور ایک عرصے تک فرانس کے علاقے نارمنڈی، بریٹانی، لوئرَ اور ایکویٹین بادشاہتِ انگلستان کا حصہ رہے۔ اور یہ انگلینڈ (انگلستان) بھی جرمنی کے علاقہ اینگلیا (Anglia) سے آکر جزیرہ برطانیہ میں آباد ہونے والے اینگلز (Engles) کی نسبت سے England کہلاتا ہے جس کے ساتھ سکاٹ لینڈ، ویلز اور شمالی آئرلینڈ کے اتحاد سے بادشاہتِ برطانیہ یا United Kingdom وجود میں آئی ہے جسے مختصراً یوکے (UK) کہا جاتا ہے جو کہ وسیع تر فرنگستان (یورپ) کا ایک حصہ ہے۔ یاد رہے فرانس کا قدیم نام گال (Gual) ہے۔

⑳ مدثر نذر قریشی سنڈے میگزین 'نئی بات' میں لکھتے ہیں:

"چنگیز خاں (تموچن) نے عراق پر حملہ کر کے سب کچھ تہس نہس کر دیا۔ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کو قتل کیا اور علمی کتب خانے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیے۔ ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان اور دیگر منگول اس خطے کے حکمران ٹھہرے۔" (۷ تا ۱۳ جون ۲۰۱۵ء)

قریشی صاحب نے تاریخ کے واقعات گڈمڈ کر دیے۔ ۱۲۱۷ء میں چنگیز خاں وسطی ایشیا (ترکستان) کی خوارزم شاہی سلطنت پر حملہ آور ہوا تھا جس میں ترکستان، خراسان، ایران، اور افغانستان شامل تھے۔ چنگیز خاں ترکستان (وسطی ایشیا) اور افغانستان میں مار دھاڑ کرتا ہوا جلال الدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں دریائے سندھ تک آیا تھا، وہ یہیں سے اپنے دارالحکومت قراقرم لوٹ گیا تھا اور اس کے

بیٹوں اور جرنیلوں نے خراسان، ایران، آذربائیجان، جارجیا، روس، یوکرین اور پولینڈ تک کے ممالک فتح کر لیے تھے۔ چنگیز خاں ۱۲۲۷ء میں مر گیا اور اس کے پوتے ہلاکو خاں نے خراسان و ایران اور آذربائیجان پر مشتمل ایل خانی سلطنت قائم کی اور ہلاکو خان ہی نے ۱۲۵۸ء میں عراق پر حملہ کر کے بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ کیا اور خلیفہ مستعصم باللہ کو دھوکے سے گرفتار کر کے شہید کر دیا۔

㉑ مدثر نذر قریشی مزید لکھتے ہیں: "۱۹۳۳ء میں شاہ فیصل انتقال کر گئے۔"

یہ دراصل عراق کے شاہ فیصل اوّل (شریف مکہ حسین ہاشمی کے بیٹے) تھے۔ ان کے بیٹے شاہ غازی (۳۹-۱۹۳۳ء) اور پوتے شاہ فیصل ثانی (۵۸-۱۹۳۹ء) جانشیں ہوئے۔ فیصل ثانی ۱۹۵۸ء کے فوجی انقلاب میں مارے گئے۔

㉒ قریشی صاحب کے مطابق "صدر عبد السلام عارف کی وفات کے بعد حسن البکر (مضمون میں 'البکر' کے بجائے 'الابکر' کمپوز ہوا) نئے صدر بن گئے۔"

حقیقت یہ ہے کہ صدر عبد السلام عارف ۱۹۶۶ء میں فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے تو اُن کے بھائی عبد الرحمٰن عارف صدرِ عراق بنے تھے جن کا تختہ احمد حسن البکر نے ۱۹۶۸ء میں الٹ دیا۔

㉓ احمد شاہین مضمون 'ایک سفر پریوں کی تلاش میں' لکھتے ہیں:

"چلاس صوبہ خیبر پختونخوا کے ڈسٹرکٹ کوہستان میں واقع ہے جس کے بعد گلگت بلتستان کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔" ('نئی بات' سنڈے میگزین: ۷ تا ۱۳ رجون ۲۰۱۵ء)

پاکستان میں نئی نسل کو وطنِ عزیز کا مکمل جغرافیہ نہ پڑھانے کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جامعہ پنجاب سے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان (احمد شاہین) کو خبر ہی نہیں (اور اخبار کا ادارتی عملہ بھی اس سے بے خبر ہے) کہ چلاس صوبہ گلگت وبلتستان میں واقع ہے کہ صوبہ خیبر پختونخوا میں۔ دراصل چلاس گلگت وبلتستان کے ضلع دیامر کا ضلعی ہیڈ کوارٹر ہے اور ضلع دیامر سے متصل خیبر پختونخوا کا ضلع کوہستان کہلاتا ہے۔

㉔ اب محترم حفیظ اللہ نیازی کی 'باٹلی' صحافی ایاز امیر پر ایک گرفت ملاحظہ کیجیے۔ نیازی صاحب اپنے کالم میں لکھتے ہیں: ('جنگ' ۱۹ اپریل ۲۰۱۴ء)

"برادرم ایاز امیر کہ موجی آدمی (ہیں)، چنانچہ روزانہ کی بنیاد پر (ان کے) نظریہ اور سیاست میں اتار چڑھاؤ لازم (ہے)، فرماتے ہیں کہ "اگر میں بھول نہیں رہا تو ضیاء الحق نے مولانا مودودی سے ریڈیو سے اسلامی تقاریر نشر کروائیں۔"

magazine.mohaddis.com

آپ (ایاز امیر) ایک عرصے سے بھولے بھٹکے ہوئے ہیں، تصحیح فرمالیں، سید مودودی ۱۹۷۹ء میں داغِ مفارقت دے گئے۔ ایاز امیر سے چند دہائیوں کی چوک ہوئی، کہ مولانا مودودی ریڈیو پاکستان پر (۱۹۴۸ء میں) اسلامی ریاست کے خدوخال پر لیکچر ضرور دیتے رہے تھے جو قائد اعظم کی زندگی میں نشر ہوئے تھے۔"

㉕ 'نئی بات' میں 'دلچسپ و عجیب' کے عنوان کے تحت کہا گیا کہ

"دریائے نیل کا ذکر قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے۔" (۲جولائی ۲۰۱۵ء)

دراصل قرآن میں ﴿فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ﴾ کے الفاظ ہیں۔ شیر خوار موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے بچے کو یَمّ (دریا) میں ڈال دو۔ یہاں 'یم' سے مراد دریائے نیل ہے۔ لیکن غرقِ فرعون کے سلسلے میں جو کہا گیا: ﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ (اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہارے گزرنے کے لیے سمندر پھاڑ دیا) تو یہاں 'بحر' سے مراد بحیرۂ قلزم کی کھاڑی (موجودہ بحیرات مرّہ) ہے مگر بعض اہلِ قلم فرعون کے دریائے نیل میں غرق ہونے کی بات لکھ ڈالتے ہیں جو درست نہیں۔

مذکورہ کالم میں کہا گیا کہ دریائے نیل واحد دریا ہے جو جنوب سے شمال کو بہتا ہے، یہ بات درست نہیں۔ روس کے دریا اوب، نیسی اور لینا بھی جنوب سے شمال کو بہتے ہیں۔ نیز دیے گئے مصری شہروں کے درست نام اسوان اور اَلاَقصر (Luxor) ہیں، انھیں 'اساون' اور 'لکسور' لکھنا درست نہیں۔

㉖ کویت کے عربی جریدہ 'الفرقان' میں علائی بکر لکھتے ہیں:

"۱۹۱۶ء میں یہودی عسکری دستے برطانوی جرنیل لارڈ ایلنبی کے لشکر میں شامل ہو گئے جس نے فلسطین پر حملہ کیا تھا۔ یہودیوں نے اتحادی فوجوں کے ساتھ مل کر شام اور لبنان کی جنگ میں بھی حصہ لیا جبکہ لارڈ ایلنبی نے ۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کو القدس (بیت المقدس) پر قبضہ کیا، پھر دمشق فتح کر کے سلطان صلاح الدین کی قبر پر گیا اور فخر کے ساتھ یہ نعرہ لگایا: "صلاح الدین! اُٹھو، ہم لوٹ آئے ہیں۔" (الفرقان: ۹جون ۲۰۱۴ء)

حقیقت یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر پر صلیبی نعرہ مارنے والا لارڈ ایلنبی نہیں، فرانسیسی جنرل گورا (Gouraud) تھا جو جولائی ۱۹۲۰ء میں غدارِ ملت شریفِ مکہ حسین بن علی ہاشمی کے بیٹے فیصل کو دمشق (شام) کی 'بادشاہت' سے فارغ کرتے ہوئے یہاں وارد ہوا تھا اور اس نے مذکورہ جملہ کہہ کر اپنے صلیبی آبا (شاہِ فرانس فلپ اور شاہِ انگلستان رچرڈ) کی سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں تیسری صلیبی جنگ (۹۲-۱۱۸۹ء) میں شکستِ فاش کا گویا بدلہ ادا کرنے کا اعلان کیا تھا۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ